دیوانِ غالب مع شرح از جناب جوش ملسیانی تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۴ صفحے کاغذ

کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ :۔ آتما رام اینڈ سنز، کشمیری گیٹ دہلی،

اردو مین دیوان غالب کی بہت سی شرحین موجود ہین جن سے طلبہ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن وہ تعلیمی نقطۂ نظر سے نہین لکھی گئی ہین، اس لئے پنڈت لبھو رام صاحب جوش ملسیانی نے جو خود بھی شاعر ہین، اور شعر وادب کا اچھا مذاق رکھتے ہین، خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے بی اے کے طلبہ کے لئے یہ شرح لکھی ہے، اور اس مین ان کی استعداد اور ضرورت کا پورا لحاظ رکھا ہے، کتاب کے شروع مین غالب کے کلام پر تبصرہ ہے، اور معاصر شعراء سے ان کا موازنہ کرکے اُن کی خصوصیات دکھائی گئی ہین، ہم نے جابجا سے اس شرح کو دیکھا، طلبہ کے لئے اس کو مفید پایا، اس کا مقدمہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ کارآمد ہے،

نغمۂ الوہیت مترجمہ جناب حسن الدین احمد صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۲ صفحے، کاغذ معمولی

کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ے پتہ ادارہ علمیہ نمبر ۳۲۱، اعظم پورہ، روبرو مدرسہ اعزہ حیدرآباد دکن،

ہندوؤن کی مذہبی کتابون مین عارفانہ اور فلسفیانہ حقائق وتعلیمات کے لحاظ سے بھگوت گیتا کا خاص درجہ ہے، اور دنیا کی مختلف زبانون مین اس کے ترجمے ہو چکے ہین، اردو مین نظم ونثر مین اس کے کئی ترجمے ہین، یہ نیا ترجمہ جناب حسن الدین احمد صاحب نے کیا ہے، ایسی دقیق فلسفیانہ کتابون کا سلیس ترجمہ بہت مشکل ہے، لیکن یہ ترجمہ بہت صاف اور روان ہے، گیتا مین جن اشخاص کے نام آئے ہین، کتاب کے آخر مین اس کی مختصر تشریح کر دی گئی ہے، جس سے کتاب کے سمجھنے مین سہولت ہوتی ہے، جن لوگون کو اس قسم کے لٹریچر کا ذوق ہو، یہ ترجمہ اُن کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۵ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ جون ۱۹۵۰ء عدد ۶

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

ادبیات

شذرات

مئی کے شذرات میں ٹنڈن جی کے اس مطالبہ پر کہ مسلمان ہندو کلچر اختیار کرلیں میں نے جو کچھ لکھا تھا اس کے لئے بعض لوگوں کو تلخی ہوئی جس کا مجھے افسوس ہے تاہم جو بات لکھی گئی ہے، اس کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں، ٹنڈن جی اس صوبہ کی کانگریس کے اس وقت سب سے بڑے آدمی ہیں، کانگریس کے اصولوں میں ہندو مسلمانوں کا امتیاز نہیں، ایسی حالت میں ٹنڈن جی کا بار بار یہ مطالبہ کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندو کلچر اختیار کرلیں کانگریس کی بولی نہیں، ہندو مہاسبھا کی بولی ہے،

کانگریس کے بڑے لوگوں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ہندوستان کے کل باشندے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا عیسائی سب ایک قوم ہیں، اور اسی لئے انھوں نے ہندو کلچر اور مسلمان کلچر کی تفریق ماننے سے انکار اور صرف ایک ہندوستانی کلچر کا اقرار کیا ہے، ایسی صورت میں صوبہ کانگریس کے موجودہ صدر کی یہ بار بار کی رجز خوانی کہ مسلمان ہندو کلچر اختیار کرلیں، مسلم لیگ کے اس دعوی کی تصدیق ہے کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں، اور دونوں کے دو کلچر ہیں لیکن اب ان میں سے ایک کو مٹ جانا اور صرف دوسرے کو زندہ رہنا چاہئے،

پھر ٹنڈن جی کو چاہئے کہ آئین ہند کی اس دفعہ کو منسوخ کرا دیں جس میں اقلیتوں کے مذہب، زبان اور کلچر کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ آئین بنانے والوں اور آئین کے ماننے والوں کے ذہنوں میں یہ چیز تھی کہ ہندوستان میں مختلف مذہب، مختلف زبانیں، مختلف تمدن اور مختلف کلچر ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کو زندہ رہنا چاہئے،

ملک کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر پنڈت جواہر لال نے آج سے بہت پہلے اپنی آپ بیتی میں بڑے شد و مد سے یہ ثابت کیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی ہندو کلچر اور مسلمان کلچر نہیں، اور ان میں لوٹا اور لٹیا کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، اگر ان کا یہ بیان سچ ہے تو پھر صدر صوبہ راج رشی ٹنڈن جی کے اس مطالبہ کے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندو کلچر اختیار کرلیں، کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

اتفاق دیکھئے کہ عین ان سطروں کے لکھتے وقت پانیر مورخہ ۱۴ر مئی ۱۹۵۰ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کی وہ تقریر چھپی ہے، جو انھوں نے دہلی کی یونائیٹڈ نیشنس اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن دہلی میں ۱۰ر مئی کو کی ہے، اس میں کہتے ہیں کہ

"ملک کے نوجوانوں میں ہندو کلچر کے نعروں کی رہبری کی جا رہی ہے، جو نہایت گھٹیا، عامیانہ، تنگ دلانہ اور مغرورانہ ہے، ہمارے خیال میں کلچر طریق کردار اور طریق عمل کا نام ہے، اس کے معنی جو تم ہوتے ہو، نہ کہ جو تم پکار کر کہتے اور بکتے ہو، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم ترقی یافتہ قوم بنیں تو ہم کو چاہئے کہ ہم اپنی ذہنیت کو بھی ترقی دیں، ملک کی تقسیم سے پہلے جب اسلامی کلچر کی بات کہی جا رہی تھی، تو آج سے سترہ برس پہلے میں نے اپنی کتاب آپ بیتی میں ہندو کلچر اور اسلامی کلچر پر بحث کی تھی کہ ہندو اور مسلم کلچر سے کیا مراد ہے؟ میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں، البتہ ...... ہندوستانی کلچر، عرب کلچر اور ایرانی کلچر تک تو سمجھ میں آسکتا ہے"،

پنڈت جی نے جو بات کہی ہے وہ کانگریس کا نقطۂ خیال ہے، اور اسی پر اس کی ساری سیاست کی بنیاد ہے، ایسی صورت میں ٹنڈن جی کا مطالبہ ایک ایسی بات ہے جو سراسر کانگریس کے اصولوں کے خلاف ہے، اور بجائے اس کے کہ مسلمان اس کی مخالفت میں آواز اٹھائیں خود کانگریسیوں کو اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ اپنے اصولوں سے پیچھے ہٹتے ہیں،

اسی سلسلہ میں پنڈت جی نے وہ بات کہی ہے جو معارف میں بار بار کہی گئی ہے کہ ہندوستان کی ترقی کا زمانہ ہمیشہ وہ رہا ہے، جب اس نے دوسری قوموں اور ملکوں سے تعلقات پیدا کئے، اور بیرونی اثرات کو قبول کیا ہے، اور اس کے زوال کا زمانہ وہ ہے جب وہ دنیا سے اپنے کو الگ تھلگ کر کے اپنے اندر محدود ہو گیا ہے،

۲۳ر مئی ۵۰ء کے پانیر میں وحید احمد صاحب پارلیمنٹری سکریٹری یوپی کی ایک تحریر نظر سے گذری جس سے معلوم ہوا کہ ٹنڈن جی نے ملک کی معاشرتی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا ہے، اور اپنی

ایک تقریر میں انٹر میرج یعنی ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان شادی بیاہ کے رواج کی تجویز پیش کی ہے، میں نے یہ تقریر نہیں پڑھی، اگر اس سے ٹنڈن جی کا مقصد ہندو جاتیوں کے درمیان شادی بیاہ کے رواج کی تجویز ہے، تو مجھے اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے، لیکن اگر اس سے مقصود ہندو مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کی تجویز ہے جیسا کہ مضمون نگار کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، تو میں ٹنڈن جی کی اس تحریک کو مسلمانوں کی امتیازی حیثیت کو فنا کر دینے کے لئے دوسرا قدم سمجھتا ہوں، جس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان کے جداگانہ وجود باقی نہ رہے،

لیکن مجھے اس تحریر کو پڑھ کر ٹنڈن جی سے زیادہ خود مضمون نگار کے جواب سے جو اسلام کی طرف سے انھوں نے دیا ہے سخت تکلیف ہوئی ہے، مضمون نگار نے راج رشی کو ان کی اس تجویز کی بنا پر مغل اعظم کا خطاب دیا ہے کہ اکبر نے راجپوت شہزادیوں سے بیاہ کر کے جس رواداری کا ثبوت دیا تھا، راج رشی اسی کا رواج اب عوام کے مغل اعظم بن کر دینا چاہتے ہیں، اور اس کے بعد مضمون نگار نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید کو الہامی کتاب مان کر اور ہندوؤں کو اہل کتاب میں داخل کر کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں نکاح کے جواز کا فتویٰ دیا ہے،

مضمون نگار میرے پرانے دوست ہیں، اس لئے اول تو ان سے مخلصانہ عرض ہے،

چیزے کہ نخواندہ تو تغییر مکن   میادنہ اگر تو بہ تحریر مکن

"کتاب" قرآن پاک میں ہر اس کتاب کا نام نہیں جس کو کوئی قوم اپنی الہامی کتاب مانے، بلکہ اس کتاب کا نام ہے جس کے الہامی کتاب ہونے کی قرآن پاک نے خبر دی ہے، اور وہ صرف توراۃ، زبور اور انجیل ہیں اور ان کتاب ..... والوں کی بھی عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز ہے، مردوں کا نکاح مسلمان عورتوں سے درست نہیں اور یہی تو ہنگو جو اسلام سے پہلے کسی ایسی کتاب کے مدعی ہوں جس کی تصدیق قرآن پاک نے نہیں کی ہے فقہا نے شبہ اہل کتاب کا خطاب دیا ہے، ان سے نکاح کسی طرح کا قطعاً ناجائز ہے، افسوس ہے کہ کمزور عقیدہ کا مسلمان آج اپنے کو اکثریت سے مغلوب پا کر اپنے بچاؤ کے لئے اپنے قتل نامہ پر اپنے ہاتھ سے دستخط کرنے کو تیار ہے،

ہم ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ اور میل جول پر دل سے یقین رکھتے ہیں، لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں سمجھتے کہ اس غرض کو دین و دھرم کا فرق مٹا کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے، بلکہ ہندو ہندو اور مسلمان مسلمان رہ کر بھی اس غرض کو حاصل کر سکتے ہیں جس کی مثالیں انگریزوں کی پھیلائی ہوئی تعلیم سے پہلے ہندوستان میں کثرت سے تھیں، اور اب بھی ہیں،

مقالات

مسلمانوں کی حکومت
میں
غیر مسلم اقوام

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۱)

اس مضمون میں بجائے "اسلامی حکومت" کے "مسلمانوں کی حکومت" کا عنوان قصداً قائم کیا گیا ہے، کیونکہ عام استعمال کے رو سے تو ہر وہ چیز جو مسلمانوں کی طرف کسی نہ کسی حیثیت سے منسوب ہو آج کل اس کو بھی لوگ اسلامی کہہ دیتے ہیں، حتیٰ کہ اسی بنیاد پر "اسلامی چاء" "اسلامی پانی" کے الفاظ آج تک کانوں میں نہ سہی، لیکن حافظوں میں تو اب بھی گونج رہے ہیں، جب چاء کے بیچنے والے اپنی چاء کو بیچنے کے لئے "اسلامی" کے اس لفظ سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے، اور اسٹیشنوں کے بہشتی اسی لفظ کی پشت پناہی میں بخشش کا مستحق اپنے آپ کو قرار دیتے تھے،

لیکن ظاہر ہے کہ اسلام تو پیدا کرنے والے خالق تعالیٰ جل مجدہ کا ایک پیغام ہے، ایسا پیغام جس میں اپنے بندوں پر حق تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں، کائنات کے ماضی و مستقبل و حال کے متعلق فکری نظام عطا کیا گیا ہے، یعنی ہستی کا موجودہ نظام جس کا ایک جز خود ہم انسانوں کا

وجود ہے اس کی ابتدا، اور اس کے آخری انجام و انتہا، اور یہ کہ اس وقت یہ نظام جو چل رہا ہے، کیسے چل رہا ہے، کون چلا رہا ہے، انہی اساسی اور بنیادی سوالوں کے جواب کے متعلق ہمیں کیا سوچنا چاہیے، خود اس عالم کے پیدا کرنے والے نے جو علم اس راہ میں عطا کیا ہے، اس علم کو یقین و قطعیت کی قوت کے ساتھ ماننا اسی کی مذہبی تعبیر اعتقاد ہے، اور جو معلومات اس سلسلہ میں خالقِ کائنات کی طرف سے ہم پر کھولے گئے ہیں، ان ہی کو عقائد کہتے ہیں، پھر زندگی کو اسی فکری نظام کے تحت رکھتے ہوئے صحیح انجام تک پہنچنے کے لئے ایک عملی دستور العمل یا ضابطہ پیدا کرنے والے نے عطا کیا یہی اسلام کا عملی نظام ہے، آمنوا وعملوا الصالحات کا تعلق علم و عمل کے ان ہی دو نظاموں کے ساتھ قائم ہے،

ظاہر ہے کہ اسٹیشنوں پر بکنے والی چائے، یا تقسیم ہونے والا پانی، مندرجہ بالا دونوں باتیں یعنی اسلام کے فکری یا عملی نظام سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا، نہ چاء آسمان سے اتری، اور نہ پانی، اور نہ چاء بنانے کا طریقہ اسلام میں بتایا گیا ہے، اور نہ پانی کو کنوئیں یا تالاب سے نکالنے، مشکوں میں بھرنے، پشت پر اٹھا اٹھا کر پلیٹ فارم کے کنارے ٹھیلنے پھرنے کا طریقہ، بہشتیوں کو اسلام نے سکھایا ہے،

مگر یہ فرض کر کے کہ مسلمان اس چاء کو استعمال کریں گے، یا اس پانی کو پئیں گے، کہنے والوں نے اس چاء اور پانی کا نام اسلامی چاء اور اسلامی پانی رکھ دیا، اور یہی میں عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ "اسلامی" کے اس لفظ کو اتنی وسعت دیکر لوگ اگر استعمال کر رہے ہیں، تو یہ بالکل ایک جداگانہ اور اپنی من مانی گھڑی ہوئی خود تراشیدہ اصطلاح یا ایسی اصطلاح ہے، جو خاص خاص اغراض کے زیر اثر کسی طرح چل پڑی ہے،

لیکن اسلام کے اس لفظ کو صرف اس پیغام اور فکری و عملی نظام کی حد تک اگر محدود رکھا جائے، جو بندوں کو پیدا کرنے والے خالق کی طرف سے پہنچایا گیا ہے، اور یہی "اسلام" کے لفظ کا صحیح مطلب ہے بھی، پیغام پہنچانے والے پر اعتماد کر کے خدا کے جن بندوں نے اس "پیغام" کو قبول کر لیا، اور اس کے مطابق جینے ہی پر مرنے کا قطعی فیصلہ جو کر چکے ہیں، ان ہی کا نام "مسلم" ہے، اور اسی کی فارسی جمع لفظ "مسلمان" ہے جو

مسلمان کی فارسی اور مسلمانوں کی اردو جمع الجمع کے بعد اب خود مفرد ہو کر رہ گیا ہے،

ظاہر ہے کہ خدا کے اس پیغام یعنی اسلام کا خطاب بندوں کے کسی خاص طبقہ کے ساتھ محدود نہیں ہے، اس کے مخاطب جیسے مرد ہیں، عورتیں بھی ہیں، جوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی، مسافر بھی ہیں، اور مقیم بھی، مالدار بھی ہیں، اور وہ بھی جو زائد از ضرورت آمدنی نہیں رکھتے، جو صحت مند اور چنگے ہیں، وہ بھی اور صحت کی نعمت سے جو محروم ہیں وہ بھی، باپ بھی ہیں اور بیٹے بھی، ماں بھی ہے، اور بیٹی بھی، الغرض انسانیت کے سارے "تکلیفی مظاہر" اس خطاب کے مخاطب ہیں جن میں جیسا کہ عرض کیا گیا، ہر طرح کے لوگ مرد و عورت، جوان بوڑھے وغیرہ شریک ہیں، اسی طرح حکمرانی کا اقتدار جن افراد کے ہاتھوں میں قدرت پہنچا دیتی ہے، جنہیں حاکم کہتے ہیں، اور وہ بھی جنہیں اس اقتدار کا کوئی حصہ نہیں بخشا گیا ہے،

بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس پیغام کے مخاطب جیسے حاکم ہیں، اسی طرح اس کے مخاطب محکوم بھی ہیں، وہ بھی ہیں جو کسی کو ملازم اور نوکر رکھتے ہیں، اور وہ بھی جو ان نوکروں یا ملازموں سے کام لیتے ہیں، اسلام کے اس "الٰہی پیغام" کا ایک حصہ تو ایسا ہے جس کے مخاطب سارے تکلیفی مظاہر ہیں، لیکن اسی کے ساتھ جیسا کہ لوگ جانتے ہیں، اسی پیغام کی بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کی تعمیل کی ذمہ داری خاص خاص طبقوں پر عائد ہوتی ہے، مثلاً بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے مخاطب صرف مرد ہیں، اور بعض باتیں ایسی بھی ہیں، جو صرف عورتوں کی حد تک محدود ہیں، بہت سے واجبات و فرائض ہیں، جن سے بیماروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، یا کہنہ سال بوڑھوں سے وہ معاف ہیں، بہت سے مطالبات کا رُخ صرف مالداروں کی طرف ہے، غریبوں کم مایہ لوگوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، کچھ احکام ہیں جن کا پابند اسلام ان لوگوں کو بنانا چاہتا ہے، جو دوسروں سے کام لیتے ہیں، کچھ ذمہ داریاں ان کی بھی ہیں، جو دوسروں کا کام کرتے ہیں، پدری منصب کے کچھ فرائض ہیں، جو ان فرائض سے بالکل مختلف ہیں، جن کے مکلف بیٹے ہیں،

اسی سلسلہ میں احکام و قوانین کا ایک مستقل ضابطہ[۱] اسلام نے ان لوگوں کے بھی سپرد کیا ہے جو زمین کے کسی علاقہ میں حاکمانہ اقتدار کے مالک ہیں، اسی کے مقابلہ میں کچھ ذمہ داریاں اُن کی بھی اسلام ہی نے مقرر کی ہیں جن کی جان و مال، عزت و آبرو، فلاح و بہبود وغیرہ جیسے امور کی نگرانی کے لئے حکومت قائم ہوئی ہے،

ایسی صورت میں سوال ہوتا ہے کہ مثلاً مسافر بن جانے کے بعد جن اسلامی مطالبات کی تعمیل کی طرف مسافروں کو توجہ دلائی گئی ہے، جیسے یہی کہ نماز میں قصر کریں، روزے ماہ رمضان سے چاہیں تو مؤخر کر سکتے ہیں یا ان قبیل سفر کے متعلق دوسرے مشورے جو مسافروں کو دین کی طرف سے دیئے گئے ہیں اُن کو پیش نظر رکھتے ہوئے سفر کو بھی دو قسموں میں تقسیم کر کے سفر کی ایک قسم کا نام اسلامی سفر اور دوسری قسم کا نام "غیر اسلامی سفر" رکھنے پر اصرار اور اس اصرار کو اس حد تک بڑھا دینا کہ اسلامی سفر کے ہر ہر جز کا جائزہ لیا جائے، اور دیکھا جائے کہ کتاب و سنت میں اس کا ماخذ کیا ہے، مسافر نے

۱؎ یبین لکم و یھدیکم سنن الذین من قبلکم،	ان گزشتہ پیغمبروں کی پیروی کرو تاکہ تمہاری راہ نمائی ان لوگوں کے طریقوں کی طرف خدا کرے جو تم سے پہلے تھے،

یہ اسی قسم کی بے شمار آیتوں میں پیغمبروں کی امت مسلمہ کو خطاب کر کے جیسا کہ ظاہر ہے یہی بتایا گیا ہے کہ کسی نئی راہ و رسم کی تعلیم نہیں، بلکہ اصولاً انہی باتوں کی تجدید تر و تازگی یا جو بھلا دی گئی ہیں ان کی یاد دہانی اسلام کے جدید پیغام سے مقصود ہے جن سے پیدا کرنے والا نسل انسانی کو ہر زمانہ اور ملک میں مطلع کرتا رہا ہے ان کی پابندی کا مطالبہ کیا ہے، زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ حکمرانی کے اسلامی ضابطہ کا بھی یہی حال ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہب کے نام سے نہیں بلکہ قانون و آئین کے عنوان سے آج دنیا کی اکثر حکومتوں کی بنیاد میں وہی چیزیں نظر آتی ہیں جن کا مطالبہ مسلمان حکمرانوں سے اسلام نے کیا ہے، موروثی طور پر قوموں میں یہ باتیں منتقل چلی آئی ہیں انسانی جان و مال، عزت و آبرو کے احترام کا کون منکر ہے، ظلم و تعدی استحصال، بے جا لوٹ کھسوٹ کو دنیا کی کون سی حکومت جائز رکھتی ہے، گویا غیر شعوری طور پر آج بھی حکومتوں

بستر اجو باندھا ہے تو اس کی بندش میں اس نے قرآن کی کس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس حدیث کو پیش نظر رکھا ہے، بستر اکس چیز سے باندھا، رسی سے باندھا، چمڑے سے باندھا، ہولڈال میں باندھا، پھر یہ کہ کس سواری پر سوار ہوا، زاد راہ میں اپنے ساتھ کیا کیا رکھا، یہ اسی قسم کے بے شمار سوالوں کو اٹھا اٹھا کر اس پر بحث کرنا کہ مسلمان مسافر کا یہ سفر واقعی اسلامی سفر کہے جانے کا مستحق ہے بھی یا نہیں خود سوچنا چاہئے کہ کس حد تک مناسب ہے؟ اور ایک سفر ہی کیا؟ ان کل قسموں میں جن میں بعض کا ذکر ابھی تمثیلاً کیا گیا، کیا ہر ایک میں اسلامی و غیر اسلامی کی اس تقسیم کو جاری کر کے اور اسلامی قرار پانے والی قسم کے متعلق تنقیحی سوالات کے اٹھانے، اور اس کے ہر ہر پہلو کو اسلامی قوانین کے اساسی ماخذوں اور بنیادی سرچشموں پر منطبق کرنے کی ضرورت اسلام کی پیشرو چودہ سو سالہ تاریخ میں کیا کبھی محسوس کی گئی ہے؟ لباس ہی کو لیجئے، چند ضوابط اسلام میں لباس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں مثلاً مردوں کو چاہئے کہ ریشم کا لباس استعمال نہ کریں، لوگ اسبال ازار کے مرتکب نہ ہوں ان چند باتوں کو دیکھ کر اسلامی و غیر اسلامی لباس کی تقسیم اور اسلامی کے متعلق یہ سوالات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۸) کی اکثریت ان ہی بنیادوں پر قائم ہے، جن پر اسلامی یا الٰہی حکومت کو قائم ہونا چاہئے، بنیادی کلیات کو مان لینے کے بعد ان کے تفریعی جزئیات تو اب تک لوگوں کا پہونچنا زیادہ دشوار نہیں ہے، اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تلاش کیا جائے تو اسلام کے جزئیات تو اب بھی عموماً معلوم ہو گا کہ نئے نہیں ہیں، چوری کی سزا حد یہ ہے کہ قدیم ہندوستان میں بھی جیسا کہ مہابھارت سے معلوم ہوتا ہے، یہ تھی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، بلکہ دیاس جی نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ پراچین اتہاس (قدیم تاریخی قصہ) ہے، بیان کیا کہ جو ڈنڈ چور کو ہوتا ہے وہی ڈنڈ مجھے دو، اس درخواست پر راجہ نے حکم دیا کہ "دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو" دیکھو مہابھارت شانتی پرب ساتواں ادھیائے، جس سے معلوم ہوا کہ پراچین عہد کا یہ قدیم قانون تھا،

کہ اس کی تراش کیا ہو، سلائی کیسے کی جائے، کیسے پہنا جائے؟ کیا کسی زمانہ مین لوگون نے ان سوالون کو اٹھایا؟ عام طریقہ اب تک یہی ہوتا رہا ہے کہ زندگی کے جس شعبہ مین بھی مسلمانون کو اسلام نے جن حدود مین رہنے کا حکم دیا ہے، بس ان حدود کو تو دیکھ لیا جاتا ہے، ان حدود کے اندر رہنے والے اپنے دین کے پابند مسلمان سمجھے جاتے ہین، اور ان حدود سے تجاوز کرنے والون کو سمجھا جاتا ہے کہ اپنے دین کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہین،

پھر فرض و واجب، سنت و مستحب اولیٰ، یا حرمت و کراہت تحریمی و تنزیہی، خلاف اولیٰ وغیرہ ہونے کے حساب سے مطالبہ کی جو نوعیت ہوتی ہے، اسی کے اعتبار سے "خلاف ورزی" کی نوعیت پر حکم لگایا جاتا ہے، یعنی کبیرہ گناہ کا مرتکب حدود سے تجاوز کرنے والا ہے، یا صغیرہ کا، یا صرف قابل ملامت ہے،

بہرحال اتنا دیکھ لینے کے بعد اس خاص شعبہ کے جن دوسرے پہلوؤن کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کسی قسم کی تصریح نہین کی گئی ہے، بلکہ آزادی بخشی گئی ہے کہ اپنی اپنی ضرورتون، اپنے اپنے حالات اور دوسرے اقتضاؤن کی بنیاد پر عقل و تجربہ عمل کی جو راہ پیش کرے، اسے مسلمان اختیار کرین، اصطلاحاً انہی کو "مباحات" کہتے ہین، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً سفر ہی کو لیجئے، جب پیش آتا ہے تو چند خاص باتون کے سوا ہر مسلمان کو اپنے سفر کے تمام پہلوؤن کے متعلق آزادی عطا کی گئی ہے کہ مصلحت کے مطابق جو کچھ اس کی سمجھ مین آئے اختیار کرے،

ظاہر ہے کہ کسی خاص مقام مثلاً لکھنؤ سے دلی تک ایک ہی سفر کوئی کرے، اور سفر کے سارے اسلامی مطالبات کی تکمیل اس مین کی جائے، پھر بھی اس مسافر کا یہ خاص سفر جن بے شمار امور پر مشتمل ہوگا، ان مین ایسی چیزین جن کو ہم اسلامی مطالبات کہہ سکتے ہین، ان امور کے معاملہ مین جن کا مباحات سے تعلق ہے، شاید آٹے مین نمک سے زیادہ ان کی حیثیت نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ گو سفر مین بھی آدمی کو دین کے بعض مشورون کو شریک کرنا پڑتا ہے، مگر محض اس کی وجہ سے سفر کی

کی ایک مستقل قسم "اسلامی سفر" کی اصطلاح نہین بنائی گئی،

ہم یہی پوچھنا چاہتے ہین کہ حاکمانہ اقتدار رکھنے والے مسلمانون کو بھی اس مین شک نہین کہ اسلام نے ایک ضابطہ ضرور دیا ہے، لیکن جیسے قصر صلوٰۃ یا تاخیر صوم وغیرہ دینی مسائل کے جاننے والون کے لئے سفر کے تمام مشکلات حل نہین ہو جاتے، بلکہ ابتدائے سفر سے آخر تک ہر ہر قدم پر عقل و تجربہ، ضرورت وغیرہ کے لحاظ سے ہزارون فیصلے کرنے پڑتے ہین، اور عقل و تجربہ وغیرہ کی روشنی مین کئے ہوئے ان فیصلون کی وجہ سے اس مسافر کا سفر جس نے "اسلامی مطالبات" کی تعمیل مین اپنے پورے سفر مین کوتاہی نہ کی ہو جیسے اس مسافر کے سفر کو نہ غیر اسلامی کہا جا سکتا ہے، اور محض اس لئے کہ دوران سفر مین وہ نماز دن مین قصر کرتا رہا، یا روزے مین تاخیر سے کام لیا، یہ یا اسی قسم کے چند گنی چنی چیزون کی وجہ سے سفر کی ایک مستقل قسم اسلامی سفر نکالی گئی،

اسی طرح کسی علاقہ مین حکمرانی کا اقتدار جن مسلمانون کے ہاتھون مین آ جائے، اور جن مطالبات کی تکمیل کے ذمہ دار مسلمان حکمران ٹھہرائے گئے ہین، ظاہر ہے کہ محض ان ذمہ داریون کی تکمیل ہی اگر حکمرانی کے لئے کافی نہ ہو، تو یقیناً یہ اسلامی تعلیم کا نقص ہوگا، اور مکان و زمان، حالات و ماحول وغیرہ خصوصیات کی وجہ سے حکمرانی کے سلسلہ مین ان مسلمانون کو عقل و تجربہ کی راہون سے جن چیزون کو اختیار کرنا پڑے، ان کی وجہ سے وہ بیچارے اس کے مستحق ہون گے کہ ان کے طریقۂ حکومت کو غیر اسلامی طریقۂ حکومت قرار دیا جائے، اور جیسے یہ فتویٰ لگانا ان پر درست نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی سمجھ مین تو یہی آتا ہے کہ ایسی حکومت جس مین زیادہ تر عقل و تجربہ کی روشنی مین نظر آنے والے حقائق ضرورۃً اختیار بھی کئے جاتے ہون، اور چھوڑے بھی جاتے ہون، اور ان ہی عقلی و تجربی عناصر سے حکومت کی مشینری بھری ہوئی ہو، اگر ان ہی کے ساتھ ان محدودے چند اسلامی ضوابط کو بھی اس مین شریک کر لیا جائے، جن کی تعمیل کا مطالبہ مسلمان حکمرانون سے کیا گیا ہے، جیسے مسافر اپنے سفر کے عقلی

وتجربی عناصر کے ساتھ ان چند باتون کا بھی پابند ہو جن کا حکم دین مین مسلمان مسافرون کو دیا گیا
ہے، تو مسلمان حکمرانون کے محض اس طرزِ عمل سے یعنی حکمرانی کے ان معدودے
چند ضوابط کو اپنے طریقۂ حکمرانی مین شریک کر لینے کی وجہ سے ایسی حکومت کو اسلامی حکومت
یا الٰہی حکومت کہنے کی وجہ بظاہر ضرورت نہین معلوم ہوتی، اور آج تک مسلمانون کی حکومت جہان کہین
قائم ہوئی، جہانتک مین جانتا ہون اس کو "اسلامی حکومت" یا "الٰہی حکومت" وغیرہ نامون سے شاید کبھی
موسوم نہین کیا گیا، یہ نام نہ عہد خلافتِ راشدہ مین حکومت کا ہم پاتے ہین، اور نہ اس کے بعد
قائم ہونے والی حکومتون کو یہ نام کسی زمانہ مین دیا گیا، حکومت بنی امیہ، حکومتِ عباسیہ، حکومتِ غزنویہ،
غوریہ، مغلیہ، عثمانیہ، اس قسم کے نام تو سننے مین آتے ہین، لیکن ان مسلمان حکمرانون نے کسی زمانہ مین
اپنی حکومت کا نام "حکومتِ اسلامیہ یا حکومتِ الٰہیہ" رکھا ہو، کم ازکم فقیر اس سے قطعاً ناواقف ہے؛
بلکہ جہان تک میرا خیال ہے کلیسا کے نام سے "پوپ" کے ہاتھ مین حکمرانی کا اقتدار آہستہ آہستہ
جب منتقل ہوا، اور یورپ کے عام حکمرانون پر برتری حاصل کرنے کے لئے دین کی پشت پناہی کی ضرورت
پوپون نے محسوس کی، تو شاید دنیا مین یہ پہلی بدعت انھون نے قائم کی، کہ عام حکمرانون کی حکومت
کے مقابلہ مین "دینی حکومت" یا "عیسائی حکومت" یا "کلیسائی حکومت" وغیرہ نام اپنی حکومت کو دیا، پھر
جب کلیسا کے خلاف یورپ مین ردِ عمل ہوا، تو "کلیسائی حکومت" کے مقابلہ مین ضرورت پڑی کہ تمیز
کے لئے "سکولر حکومت" یا "لادینی حکومت" ان حکومتون کا نام رکھا جائے، جو "پوپ" کے سیاسی اقتدار کو توڑنے
کے لئے اور ان کو توڑ کر قائم ہوئی تھین،

بہرحال جیسے سفر یا لباس یا اسی قسم کی ہر وہ چیز جس کے متعلق مسلمانون کو مذہب کی طرف سے
کچھ احکام و ضوابط عطا کئے گئے ہین اُن کی تعمیل کی وجہ سے الٰہی سفر غیر الٰہی سفر یا اسلامی سفر غیر اسلامی
سفر الٰہی لباس غیر الٰہی لباس اسلامی لباس غیر اسلامی لباس وغیرہ قسمین کچھ انسانی اور ابنائی یادی مین مجھے تو خیال یہی گذرتا ہے کہ

الٰہی حکومت غیر الٰہی حکومت یا اسلامی حکومت غیر اسلامی حکومت، حکومتون کے نام رکھنے کی یہ رسم شاید
نئی رسم ہے، اور کچھ تعجب نہین کہ کلیسا اور پوپیت کی تاریخ کے ساتھ اس کا رشتہ نکل آئے، یا زیادہ سے زیادہ
یہ کہا جاسکتا ہے کہ پینے والون کی خصوصیت کی وجہ سے چاء یا پانی کا نام "اسلامی چاء" یا "اسلامی پانی" لوگون
نے جیسے رکھ دیا تھا، یہی حال حکومتون کے ان نامون کا بھی ہو، اور کیا تعجب ہے کہ آئندہ بجائے اسلامی
کے چاء اور پانی کا نام بھی "الٰہی چاء" اور "الٰہی پانی" رکھ دیا جائے، اور توجیہ یہ کی جائے کہ اسلام کے ماننے والون
کے ساتھ چونکہ یہ چاء اور پانی مخصوص ہے، اور اسلام اللہ کا عطا کیا ہوا دین ہے، اس لئے اس چاء اور پانی
کا نام "الٰہی چاء" اور "الٰہی پانی" رکھ دیا گیا،

بہرحال بات ذرا طویل ہوگئی، ورنہ کہنے کی بات صرف اسی قدر ہے کہ آئندہ جو کچھ بھی عرض کرنا
چاہتا ہون، میرے لئے یہ مشکل تھا کہ "اسلامی حکومت یا الٰہی حکومت" وغیرہ الفاظ جن کا چرچا سیاسیات
کے اس عہد مین پھیلا ہوا ہے، اور جس قسم کے توقعات ان نامون کے ساتھ قائم کر لئے گئے ہین، یا قائم
کرا دیئے گئے ہین، تو توقعات کے اس معیار پر وہ ساری حکومتین پوری اتر ین گی، جن کے زیرِ حکومت
مین رہنے والی غیر مسلم قومون کا اجمالی تذکرہ یہان مقصود ہے،

اتنی بات مین جانتا ہون کہ حکمرانون کا یہ گروہ مسلمان تھا، اور ان مین اگر سب نہین، تو ذاتی
حقیقت سے خواہ وہ کچھ بھی ہون، لیکن حکمرانی کے سلسلہ مین ایسے کم ہی تھے، جن کے طریقۂ حکومت مین
ضوابط کا وہ مجموعہ نہ شریک تھا، جس کی تعمیل و نفاذ کا کام مسلمان حکمرانون کے ذمہ اسلام کی طرف سے
سپرد کیا گیا ہو، فقہاے اسلام نے دینِ اسلام کے اساسی سرچشمون سے جن اجتہادی نتائج کو پیدا
کیا تھا، عموماً ان ہی کے مطابق فصلِ خصومات (رفع نزاع) کا کام آخر وقت تک انجام پاتا رہا۔ اور
اسی کے ساتھ اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے ملک کے خصوصی حالات کی بنیاد پر ہر زمانہ مین عقل و تجربہ
سے ہمیشہ کام لیا گیا، یہی اُن کی حکمرانیون کا عام طریقہ تھا، اب چاہئے کہ اسلامی یا الٰہی حکومت کے معیار

پردہ پوری ترقی ہوں یا نہ ترقی ہوں،

اسی جھگڑے سے بچنے کے لئے میں نے بجائے اسلامی حکومت کے مسلمانوں کی حکومت کے عنوان کو قصداً اختیار کیا ہے، جیسے عام مسلمانوں میں اچھے برے مذہبی مطالبات کی تکمیل میں کامیاب، ناکامیاب سب ہی طرح کے لوگ ہیں، وہ بھی تھے، اس وقت میرے سامنے اُن کی حکومت کا صرف ایک پہلو ہے، یعنی غیر مسلم اقوام کا مقام اور اُن کی عام حالت ان مسلمان حکمرانوں کی مملکتوں میں کیا تھی ؟

(۲)

واقعہ یہ ہے کہ جنگ وجدال لڑائی بھڑائی جس وقت تک ہوتی رہتی تھی، اس کی نوعیت اس زمانہ سے بالکل مختلف تھی، جب کسی علاقہ میں حکومت قائم ہو جاتی تھی،

اگرچہ جنگ وجدال کے وقت کے قصوں کے متعلق بھی بہت زیادہ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور کیسی غلط فہمیاں؟ عہدِ نبوت کی جنگی مہموں ہی کے متعلق سوچیے عوام کے تاثرات ان کے متعلق کیا ہیں؟ ان عوامی تاثرات کا مقابلہ ذرا اس واقعہ سے کیجئے کہ دس سال کی طویل مدت جس میں یہ معرکے وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے، ان میں قریش، عرب کے عام قبائل، نیز یہودیوں اور عیسائیوں سب ہی سے مقابلے ہوئے، اگر جانتے ہیں، ان مختلف اقوام کی دس سالہ آویزشوں کے متعلق کام آنے والوں یعنی قتل ہونے والوں کی تعداد بمشکل پانسو [illegible] تک پہنچ سکتی ہے، ان میں عرب و یہود، عیسائی اور مسلمان الغرض جنگ کے ہر فریق کے مقتولوں کی تعداد شریک ہے[1]

غیر لڑائی بھڑائی کا قصہ تو الگ ہے، بحث اس وقت قیام امن و امان کے بعد اس زمانہ کے متعلق ہے، جب باضابطہ حکومت کسی علاقہ میں قائم ہو گئی، میں دنیا کے مورخوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ہزار

[1] تفصیل کے لئے منجملہ اور کتابوں کے خاکسار کی کتاب النبی الخاتم دیکھی جا سکتی ہے، جس میں عہدِ نبوت میں کام آنے والوں کی فہرست بھی شریک ہے، ۱۲

سال سے زیادہ طویل مدت جس میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہی ہیں، کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ غیر قوم کے کسی فرد کو حکومت نے محض اس لئے قتل کر دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے یا یہ کہ کسی کو مجبور کیا گیا ہو کہ وہ اپنے موروثی مذہب کو ترک کر دے،

شاید نصف صدی سے مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کر رہا ہوں، لیکن میرے حافظہ میں ایسی کوئی شہادت محفوظ نہیں ہے، جس کی روشنی میں اس سوال کا جواب اثبات میں دیا جا سکتا ہو، ممکن ہے کہ پہلے اس سوال کی طرف توجہ نہ ہو، مگر جب سے اس کا خیال آیا ہے کتابیں ٹٹولتا رہتا ہوں لیکن کوئی تائیدی شہادت کم از کم اس وقت تک تو مجھے نہیں ملی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی یہ حکومتیں مشرق میں بھی قائم ہوئی ہیں، اور مغرب میں بھی، اقتدار کی باگ کبھی اچھی فطرت کے لوگوں کے قبضہ میں رہی اور ان ہی میں بعض غیر معتدل دل و دماغ بھی تھے، اور کیسے غیر معتدل؟

زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں اگر کبھی کوئی چیز ہزارہا ہزار صفحات کے الٹ پھیر کے بعد ملتی بھی ہے تو وہی ہے کہ فوری محرکات نے غیظ و غضب کے جذبہ میں مغلوب کر کے بعض ناکردنی اقدامات کا ارادہ حکمرانوں میں سے کسی کے اندر پیدا کیا، مگر یہ ارادہ کبھی پورا ہوا؟ میرے مطالعہ کا نتیجہ تو یہی ہے کہ کبھی پورا نہیں ہوا، سب سے بڑی روک اس قسم کے فاسد ارادوں کی تکمیل میں بسا اوقات خود اسلام بن گیا، معارف کے ناظرین کو شاید یاد ہو گا کچھ دن پہلے مسلمانوں کی طرف سے معذرت کے وجوہ پیش کرتے ہوئے خاکسار نے ایک طویل مضمون اسی مجلہ میں شائع کرایا تھا، اس میں ان نہ پورے ہونے والے فاسد ارادوں کی کچھ تاریخی مثالوں کا تذکرہ کیا گیا تھا، ترکی کے بعض سلاطین کے ساتھ ہندوستان کے بعض حکمرانوں کا بھی نام لیا گیا تھا، عرض کیا گیا تھا کہ اسی ہندوستان میں سکندر لودی نے کورکشیتر کی تیرتھ گاہ کے بعض رسوم میں دخل اندازی کا ارادہ کیا تھا، لیکن دربار کے ایک عالم نے بادشاہ کو اسی وقت ٹوکتے ہوئے کہا تھا کہ آپ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتے، لودی نے

غضبناک ہو کر تلوار کھینچ لی، اور غریب مولوی کو دھمکاتے ہوئے کہنے لگا کہ تم کفر کی پشت پناہی کرتے ہو، مولوی نے جواب میں جو کچھ کہا تھا، اس کا حاصل یہی تھا کہ میں پشت پناہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کا پشت پناہ تو خود اسلام ہے، اسی مقالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کی اس آخری وصیت کا بھی ذکر کیا گیا تھا، جس میں ان غیر مسلم باشندوں کی جو مسلمانوں کی حکومت میں آباد ہوں، ذمہ داری لیتے ہوئے تاکید فرمائی گئی تھی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے دن میں خلاف ورزی کرنے والوں کے مقابلہ میں حجیج بن کر کھڑا ہوں گا' یعنی ذمیوں کی طرف سے ان حکمرانوں پر دربار الٰہی میں دعوی دائر ہوگا جن سے اس وصیت کی تعمیل میں کوتاہی ہوگی،

ان ہی پیغمبرانہ شدید تاکیدوں کا نتیجہ تھا کہ صحابہ عموماً اپنے زمانہ میں اعلان کرتے پھرتے تھے، کہ ہمیں منع کیا گیا ہے، کہ

ان اصیب من معاھد، ابرۃ
(جلد ۴ ص ۲۹۷ اسد الغابہ)

معاہد یعنی (مسلمانوں کے قلمرو کے غیر مسلم) سے ایک سوئی بھی لیں،

مسلمانوں کو صحابہ ہی کی طرف سے یہ بھی سنایا جاتا تھا کہ

اذا اخفرت الذمۃ ادیل العدو
(جلد ۴ ص ۲۳۳ اسد الغابہ)

ذمہ جب توڑا جائے (یعنی غیر مسلم رعایا جن کی حکومت نے ذمہ داری لی، اور ان کی ذمہ داری کو پورا نہ کرے گی) تو دشمن کو پلٹا دیا جائے گا، (یعنی مسلمانوں سے حکومت چھن جائے گی)

خلاصہ یہ کہ بالآخر اسی قسم کے بیسیوں انفرادی واقعات نے ان حکمرانوں کا ہاتھ پکڑ لیا جنھوں نے

کسی فوری جذبہ کے تحت قانون کے حدود سے نکلنے کا کبھی ارادہ کیا، اس سلسلہ میں ہندوستان ہی کی تاریخ کی ایک دلچسپ مثال وہ بھی ہے، جس کا تذکرہ برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کیا ہے،

جلال الدین خلجی جو خلجی خاندان کا پہلا حکمران تھا، تقدیر نے اس ترک سپاہی کو موقع دیا، اور دلی کے تخت پر قابض ہو کر سارے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا، غوریوں سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں کی حکومت پر سو سال سے زیادہ زمانہ گذر چکا تھا کہ جلال الدین نے خلجی خاندان میں حکومت منتقل کر دی، اس ایک صدی سے زیادہ مدت میں ہندوستان کے عام غیر مسلم باشندے جس قسم کی زندگی گذار رہے تھے، اسی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دن اپنے درباریوں سے دیکھا گیا کہ جلال الدین کہہ رہا ہے :-

ہر روز ہندوان، مندلی زنان و بوق
زنان در زیر کوشک می گذرند، و در جون
می آیند و بت پرستی می کنند و در دارالملک
باہزار ناز و کرشمہ و باثروت نعمت زیند
لذتہا و تنعمہا گیرند، و در میان اہل اسلام
مباہی و مفاخر باشند، و آشکارا و کشادہ
بت پرستیہا می کنند، و طبل زنان احکام کفر
و شرک را رواج می دہند،
(جلد ا ص ۲۱۷)

ہندو روزانہ جھانجھ بجاتے ہوئے اور
نرسنگھا پھونکتے ہوئے کوشک (شاہی
محل) کے نیچے سے گذرتے ہیں، اور
جمنا گھاٹ پر پہونچ کر پوجا پاٹ کرتے
ہیں، اور دارالسلطنت میں ہزاروں
ناز و کرشمہ اور دولت و ثروت کے
ساتھ زندگی گذارتے ہیں اور ان سے
لذت گیر ہوتے ہوئے رہتے ہیں اور ہم
مسلمانوں کے درمیان عزت و فخر و بلندی
کے ساتھ رہتے ہیں اور کھلے بندوں علانیہ
بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور ڈھول

سو سال سے زیادہ زمانہ کے اس عام دستور کے ذکر سے جلال الدین کی غرض کیا تھی، اگرچہ صراحۃً برنی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، مگر قرینۂ حال سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے، اس کا تذکرہ تو ابھی آپ پڑھین گے، مگر قطع نظر اس سے میرے خیال مین غوریون کے عہد کے متعلق یہ ایک شاہی شہادت ہے جس سے اندازہ کیا سکتا ہے کہ تسلط تام اور کامل قبضہ کے بعد غوری بادشاہون نے یعنی غوری خاندان کے غلام بادشاہون نے اس ملک کے غیر مسلم باشندون کو کس حال مین رکھا،

"درمیان اہل اسلام مباہی و مفاخر باشند"

کے فارسی فقرے کا ٹھیک ترجمہ جیسا کہ چاہئے اردو مین ادا نہ ہوسکا، مطلب اس کا یہی ہے کہ مسلمانون کے مقابلہ مین کسی قسم کی کمتری کے احساس کا موقع بھی جیسا کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اس ملک کے غیر مسلم باشندون کو نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ ایسا ماحول پیدا کردیا گیا تھا کہ ان کے دوش بدوش فخر و مباہات کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے،

آج "سیکولر حکومت" کا دنیا مین بہت چرچا ہے، لیکن مذکورۂ بالا شاہی شہادت کے رو سے غیر مسلم رعایا کے ساتھ حسن سلوک کے جس بلند معیار کو واقعہ کے قالب مین اسی ہندوستان کے آسمان اور اسی کی زمین نے دیکھا تھا، کیا "سیکولر حکومت" اسی معیار کو پھر اس ہندوستان مین قائم کرنے مین کامیاب ہوگی؟ توقع تو اسی کی کرنی چاہئے، خدا کرے کہ طبعی حکومت کا مطلب لوگون کی سمجھ مین آجائے، یعنی حکومت کا وہی نظام جس مین ہر بڈھی کا بال بھی محفوظ ہو خواہ اس کا تعلق اکثریت سے ہو، یا اقلیت سے،

مین یہ کہہ رہا تھا کہ اس ترک سپاہی کی جو ادنی درجہ کی ملازمتون سے ترقی کرتے ہوئے ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا تھا، اس کی غرض اپنے اس بیان سے کیا تھی؟ برنی نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نئی نئی بادشاہی کے نشۂ اقتدار پر غوری سلاطین کا یہ قدیم

دستور اس ترک جوشیلے سپاہی کے لئے کچھ باعث گرانی ہوا اور گو برنی نے تصریح نہیں کی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی غلط اقدام کا کچھ وسوسہ بھی اس کے دل مین ابھرا ہو، لیکن حسرت و یاس کے ان [illegible]

ننگ بہ بر [illegible] و خاک بر بادشاہی و دین پناہی ما، (ص ۲۱۰)

کے ساتھ ان وسوسون پر خاک ڈالنے کے سوا اور بھی اس نے کچھ کیا یا کرسکتا تھا، اس کا جواب آپ کو تاریخ دے گی، کم از کم مین تو نہیں جانتا کہ غوریون کے زمانہ سے ہندوستان کے غیر مسلم باشندون کے ساتھ جو دستور چلا آرہا تھا، اس مین کسی قسم کا رد و بدل کسی زمانہ مین کیا گیا ہو، کچھ بھی نہ ہوتا، تو صرف ایک یہی شاہی شہادت ان بے بنیاد افواہون کو بادِ ہوا بنا دینے کے لئے کافی ہے، جو زبانون سے تو نکلتی ہین لیکن ان کی تائید مین کوئی شاہی بیان تو بڑی چیز ہے کسی معتبر مورخ کی ایسی کوئی شہادت بھی پیش نہیں ہوسکتی جس سے معلوم ہو کہ ہندوستان کے دور دراز مضافاتی دمضافاتی مقامات ہی مین نہیں، بلکہ خاص دار السلطنت مین شاہی محل سرا کے نیچے سے روزانہ پوجا پاٹ کے لئے نرسنگھا پھونکتے، ڈھول بجاتے، جمنا گھاٹ پر آتے جاتے دیکھنے کا جلال الدین جو عادی تھا، اور اسی دار السلطنت کے شہر مین مسلمانون کے دوش بدوش فخر و مباہات کے ساتھ زندگی کی تمام نعمتون سے لذت اندوز ہوتے ہوئے جن لوگون کو وہ پا رہا تھا، حکومت نے کسی جگہ کسی زمانہ مین کسی قسم کی عملی مداخلت ان کے اس طرز عمل مین کبھی کی ہو، خود تراشیدہ افسانون مین نہیں، بلکہ تاریخی وثائق کی روشنی مین انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے؟ مگر جس دنیا مین "دیوانہ گفت ابلہ باور کرد" کا دور دورہ ہو، وہان سنجیدگی کے ساتھ حقائق و واقعات کی جستجو کی توفیق لوگون کو کیون ہونے لگی؟

بہرکیف درد کا یہ افسانہ تو بہت طویل ہے، اور اپنے گذشتہ مقالہ مین اس مسئلہ کے متعلق بھی

کافی چیزون کا تذکرہ کر چکا ہے،

اب مین اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتا ہون، میرا مطلب یہ ہے کہ مضامین کا ایک سلسلہ شروع کرون جن مین مسلمانون کی حکومت مین رہنے والی غیر مسلم قومون کے مختلف طبقات، اور جس طرح اس حکومت کے زیر اثر علاقون مین وہ زندگی بسر کر رہے تھے، اس کے متعلق ان تاریخی شہادتون کو درج کرون جو کتابون مین بکھری ہوئی ہین،

اس سلسلہ مین پہلی قسط ان لوگون کے حالات پر مشتمل ہوگی جنھون نے طبابت علاج و معالجہ کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا، ان کے بعد خیال ہے کہ تجارتی کاروبار کرنے والون کا ذکر کیا جائے، اسی طرح زندگی کے مختلف شعبون مین شریک ہونے والون کے حالات اگر وقت مین گنجائش نکلی تو آپ کے سامنے ان شاء اللہ آتے رہین گے،

قطع نظر ایک علمی خدمت کے ایک غرض مضمون نگار کی یہ بھی ہے کہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانون کی حکومتون اور اُن کے حکمرانون کے طرز عمل کے متعلق جو عام غلط فہمیان پھیلی ہوئی ہین، ان کا بھی ازالہ ان شاء اللہ ان شہادتون سے ہو سکتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ زمین کے جن علاقون مین سیاسی اقتدار سے آج مسلمان محروم ہین، اور ان کی سمجھ مین نہین آرہا ہے کہ اب اُن کے جینے کی کیا صورت ہوگی طرح طرح کے وسوسون مین یون بھی مبتلا ہین، اور مشرکانہ جراثیم جن مسلمانون یا ان کے رہنماؤن کے دل و دماغ ماؤف ہین، وہ بھی مستقبل کی ہیبتناک تصویرین اُن کے سامنے کھینچ کھینچ کر گویا کچھ ایسا باور کرا رہے ہین کہ سیاسی اقتدار کے بغیر نہ کوئی قوم ہی زندہ رہ سکتی ہے، اور نہ کسی قوم کے افراد عافیت
رومی نے شاید اسی قسم کی ذہنیت رکھنے والون کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ

تو مرا چون برہ دیدی بے شبان تو گمان بردی ندارم پاسبان
بے شبان دانستہ اند آن ظبی را رایگان دانستہ اند آن بی را

کے گم از بز و گم از بز غالہ ام کہ نہ باشد حارس از دنبالہ ام

پھر شرک کا غشاوہ جن کی ایمانی بصیرتون پر چڑھا ہوا ہے، ان کو چونکاتے ہوئے فرماتے ہین،[1]

حارسے دارم کہ ملکش می سزد داند آن بادے کہ بر من می وزد
سرد بود آن باد یا گرم آن علیم نیست غافل نیست غائب اے سقیم

اور یہی مسلمانون کو سمجھایا بھی گیا تھا، زندانِ مصر مین قیدیون کو تلقین فرماتے ہوئے سیدنا یوسف علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ

مَا کَانَ لَنَا اَنْ نُشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ میرے لئے کسی طرح یہ روا نہین رکھا
شَیْءٍ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو
وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ بھی ہم شریک اور ساجھی مانین یہ اللہ

---

[1] مثنوی شریف کے مندرجہ اشعار اگرچہ صاف اور سیدھے ہین، مگر فارسی سے ناواقفیت بتدریج اس حد تک پہنچ چکی ہے، کہ شاید بہت سے لوگون کی سمجھ مین نہ آئین اس لئے خلاصہ ان کا درج کر دیا جاتا ہے دیکھنے والون کو خطاب کر کے مولانا نے فرمایا ہے کہ،

"یہ دیکھ کر کہ جیسے بکری کے بچے کا چرواہا نظر نہ آرہا ہو تم نے اسی حال مین مجھے پا کر یہ خیال کر لیا ہے کہ میرا کوئی محافظ اور نگہبان نہین ہے، ہرن کو تم دیکھ رہے ہو کہ اس کا چرواہا تو کوئی نہین ہے، تم نے یہ سمجھ لیا کہ مفت یہ قیدی ہاتھ آجائے گا، اگر یاد رکھو کہ تمھین نظر آئے یا نہ نظر آئے بہر حال، بھیڑ اور بکری کے بچون سے ہم کم نہین ہین، یعنی جیسے ان جانورون کے پیچھے پیچھے بہر حال چرواہا اور رکھوالا بھی ہوتا ہے، ہم بھی ایک رکھوالا اور اپنا پاسبان رکھتے ہین، پاسبان ہمارا وہی ہے جسے صحیح معنون مین دنیا کی بادشاہت سزاوار ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے یعنی کہ اس ہوا کو بھی جو ہم پر چل رہی ہے جانتا ہے کہ وہ گرم ہے یا سرد، بس یاد رکھو کہ ہمارا نگہبان نہ غافل ہے اور نہ غائب ہے، ہان تم شرک کی جھلی کی وجہ سے تمھاری ایمانی بینائی کو وہ نظر نہین آرہا ہے، تم بیمار ہو،"

لا یشکرون، (یوسف)

کا فضل ہے، ہم پر بھی، اور سارے انسانون پر، مگر بہت سے لوگ (اس فضل اور مہربانی کا گن نہین گاتے،

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ پیدا کر کے ہمارے پیدا کرنے والے خالق قدیر نے دوسرون کے بھروسہ پر سر مارنے کے لئے ہمین نہین چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر چھوٹی بڑی ضرورت کی کفالت ہر بندہ کی اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، ضرورتون کا محتاج بنا کر اس نے ہمین ضرور پیدا کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس کا یہ کرم اور کیسی عظیم مہربانی ہے کہ ہماری اس محتاجی کا تعلق بجز اپنی ذات کے اور کسی کے ساتھ قطعاً نہین رکھا ہے، ہم محتاج ضرور ہین، لیکن اسی ایک پیدا کرنے والے خالق کے جو ہمارا ذوالقوۃ المتین رزاق ہے، اس ایک کے محتاج بن کر ہر ایک کی محتاجی کی ذلت و رسوائی اور دربدر مارے پھرنے کی درد سری سے آزاد ہین، یہی اللہ کا وہ فضل ہے، جس کا گن ناشکرا انسان بہت کم گاتا ہے، اسی ناشکری کا نتیجہ ہے کہ اس ایک کی محتاجی سے لاپروائی اختیار کرنے والے ہر ایک کی محتاجی کا طوق گلے مین ڈالے مارے مارے پھرتے ہین، فضل و کرم کی مذکورۂ بالا عجیب و غریب حقیقت کو واشگاف کرنے کے بعد قرآن مین فرمایا گیا ہے کہ

ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار،	کیا بہت سے متفرق طرح طرح کے پروردگارون کا ہونا بہتر ہے، یا جو ایک سب پر غالب و قاہر اللہ ہے، اسکی پروردگاری بہتر ہے،

جس یقین اور یقین کی روشنی کو ایمانی وجدان ان قرآنی آیتون مین پا رہا ہے، اس کے بعد خود ہی سوچئے کہ کہنے والے نے اگر یہ کہا کہ

از خدا خواہم و وز غیر نہ خواہم بخدا
کہ نیم بندۂ غیر و نہ خدائے دگرست

تو اس کے سوا اپنا احساس آخر اور کیا بتائے،

پس مقصد یہی ہے کہ اپنے اندر کو تو چاہئے کہ قرآن کی اس بخشی ہوئی ٹھنڈی اور خنک روشنی سے مسلمان جگمگاتا رکھیں اضطراب بھی پیدا ہو گا، عقلی اندیشے بھیانک شکلون مین سامنے آ آ کر اس روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف بھی ڈھکیلین گے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم و یقین کا قطعی ذریعہ ایسا قطعی ذریعہ کہ احساس و علم کے دوسرے سارے ذرائع اس کے مقابلہ مین متہم ہو سکتے ہین، جو قرآن کی اس روشنی مین گھومتا، اور اسی مین تہ و بالا ہو تا رہے گا وہ پائے گا کہ اس سے پیدا ہونے والی ٹھنڈک بھی اس کی روح اور قلب کی رگ رگ ریشہ ریشہ مین پیوست ہے۔

"اندر" کو اس حال سے معمور رکھتے ہوئے اپنے باہر کو چاہئے کہ

لیس للانسان الا ما سعیٰ،	نہین ہے آدمی کے لئے مگر وہی جو اس نے کوشش کی،
یا للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن	جو کچھ مردون نے کمایا اس سے اُن کو حصہ ملتا ہے، اور جو کچھ عورتون نے کمایا اسی سے اُن کو حصہ ملتا ہے،

یہ یا اسی قسم کی دوسری "قرآنی مسلمات" کے مطابق سرگرم عمل ہو جائین، جن واقعات اور سرگذشتون کا ذکر آئندہ آپ سنین گے، ان مین آپ کو مسلسل ملتا چلا جائے گا کہ حکمرانی کے اقتدار سے محروم ہونے کے باوجود اپنی محنت، محنت سے حاصل کئے ہوئے کمالات اور اپنے اخلاص و صداقت وغیرہ صفات کی مدد سے کتنے چھوٹے مسلسل بڑے بنتے چلے گئے، نہ صرف عوام بلکہ حکومت مین بھی قا

وونون کے حاصل کرنے مین وہ کبھی ناکام نہین ہوئے، یہ قدرت کے مقررہ قوانین ہین، ان قوانین کی پابندی بھی پابندی کے نتائج کو سامنے لائی ہے، اوران قوانین سے لاپروائی اختیار کرنے والون کو بھی اپنی لاپروائیون کا خمیازہ بہرحال بھگتنا ہی پڑتا ہے، اور قرآنی حقیقت

مَاظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؛ اورنہین کیا ہم نے ان پر ظلم، بلکہ اپنے آپ پر انھون نے خود ہی ظلم کیا،

کے اقرار پر ہر اس شخص اور قوم کو مجبور ہونا پڑا ہے، جس نے اپنے آپ کو "مظلومیت" کا کبھی شکار پایا ہو،

(باقی)

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈہ

کا سہ ماہی رسالہ

اُرْدو

انجمن ترقی اردو ہند علی گڈہ کا سہ ماہی رسالہ اردو جس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہین، اپنی روایتی خصوصیات کے ساتھ جناب ال احمد سرور صاحب کی ادارت ونگرانی مین شائع ہورہا ہے، قیمت سالانہ مع ڈاک وغیرہ ملاکر دس روپیے، اور ایک پرچے کی قیمت دو روپیے رکھی گئی ہے، انجمن کے دوسرے رسالہ "سائنس" اور "معاشیات" کی اشاعت کا بھی انتظام کیا جارہا ہے،

انجمن کی مطبوعات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے، اس وقت ۶ کتابین زیر طبع ہین،

خیر بہوروی
علیگڈہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے زمانہ مین

فنونِ جنگ

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب

(۴)

تیراندازی | توپ وتفنگ کے ساتھ تیرون کے ذریعہ سے بھی غنیم کے لشکر مین رخنہ اندازی اور سراسیمگی پیدا کیجاتی، بابر پانی پت کی جنگ کا حال خود لکھتا ہے،

"ہماری فوج مین غنیم کی آمد اور انتظام کی ترکیب دیکھ کر ذرا کھلبلی مچی کہ ٹھہرین یا نہ ٹھہرین، مقابلہ کرین یا نہ کرین، موقع کی بات کرنی چاہئے ایسون سے مقابلہ ہے، جو بے توقف چلے آتے ہین، مین نے حکم دیا کہ تولغمہ والے غنیم کے دست راست اور دست چپ سے پھر کر تیر مارنے شروع کرین، اور لڑائی مین مشغول ہون، برانغار بھی جا پہنچے، تولغمہ والے غنیم کے پیچھے سے پلٹ کر تیرون کا مینہ برسانے لگے، جرانغار مین سے مہدی خواجہ سب آگے پہونچا، مہدی خواجہ کے مقابلہ مین کچھ فوج ایک ہاتھی لئے ہوئے آئی، مہدی خواجہ کی جماعت نے تیرون کی بھرمار سے اس فوج کا منہ پھیر دیا، جرانغار کی کمک کے لئے قول مین سے احمدی پروانچی، تردی بیگ، قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے، برانغار مین بھی لڑائی شروع ہوگئی، محمدی کوکلتاش، شاہ منصور برلاس،

یونس علی اور صدر اللہ کو حکم دیا کہ تول سے آگے بڑھ کر لڑائی شروع کرو، استاد علی قلی بھی تول کے آگے بڑھکر فیر کرنے لگا، مصطفےٰ توپچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا تو لقمہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا اور ہنگامہ پیکار گرم کر دیا"[1]

پانی پت کی دوسری جنگ میں بھی اکبری فوج کے تیر اندازوں نے ہیمو کے لشکر میں غیر معمولی ہولناکی پیدا کردی تھی، اس سلسلہ میں ابوالفضل کا بیان ہے:-

"گروہ گروہ فدائیان تیر انداز از اطراف و جوانب برآمدہ داد کارزار می دادند"[2]

ان ہی تیر اندازوں کا ایک تیر ہیمو کی آنکھ میں آکر لگا، اور اُس کے زخمی ہوتے ہی ہندوستان کی تاریخ کا رُخ بدل گیا،

بیرم خان خانان جب ہندوستان کے تخت و تاج کا دعویدار ہوکر اکبر کے خلاف گوناچور (پنجاب) کے میدان میں صف آرا ہوا، تو دونوں لشکروں کے درمیان دھان کا ایک کھیت تھا، جس میں کیچڑ کی وجہ سے دلدل ہو گیا تھا، لڑائی شروع ہوئی تو بیرم کے ہاتھی دلدل میں پھنس گئے، بیرم کو اپنے ہاتھیوں پر بڑا بھروسہ تھا، ہاتھیوں کو دلدل میں پھنستے دیکھ کر اکبر کے تیر اندازوں نے فائدہ اٹھایا، اور ہاتھیوں پر شدت کے ساتھ تیروں کی بوچھار شروع کردی، ایک تیر انداز نے ہاتھیوں کے سرگروہ کے فیلبان پر تاک کر ایک ایسا تیر لگایا کہ وہ لڑھک کر ہاتھی کی گردن میں آکر اٹک گیا، بیرم خان نے اپنے ہاتھیوں کی اس طرح پسپائی دیکھی تو دلدل سے بچ کر خشک راستے سے اُن کی مدد کو پہونچنے کی کوشش کی، لیکن شاہی فوج کے سردار آتکہ خان نے دوربینی سے کام لے کر بیرم خان کی کوشش کارگر ہونے نہیں دی،[3]

۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کشمیر سے کابل جارہا تھا، تو جہلم کو عبور کرتے وقت مہابت خان نے

[1] بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۶ [2] اکبرنامہ جلد دوم صفحہ ۵۳ [3] ایضاً،

جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا، شاہی جلو کے اکثر امرا اور لشکر کے افراد جہلم کی دوسری طرف جاچکے تھے، جہانگیر نورجہان کے ساتھ تنہا رہ گیا تھا کہ مہابت خان نے اپنی راجپوت فوجوں کی مدد سے اس کو اپنا قیدی بنا لیا، نورجہان اپنی دانشمندی اور فراست سے مہابت خان کی نظر بچا کر دریا کے دوسرے جانب شاہی فوج سے آملی، امرار کو غیرت دلائی، فوجوں سے برہمی ظاہر کی، اور اپنے محبوب شوہر کو قید سے آزاد کرنے کے لئے خود آگے بڑھی، امرا میں سے فدائی خان مہابت خان کی حرکت ناز یبا سے آزردہ خاطر اور شہنشاہ ہند کی بے پائی پر بے حد خفیف اور شرمندہ ہوا، اور وہ چند سواروں کے ساتھ اپنے آقا کی رہائی کے لئے روانہ ہوا، راجپوتوں نے دریا کے پل میں آگ لگادی تھی، فدائی خان نے بڑی دلیری سے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، اس کے پیچھے اس کے ہمراہی بھی، دریا میں بڑا تلاطم تھا، زیادہ سوار غرقاب ہوگئے، اور صرف سات سوار فدائی خان کے پیچھے ساحل کی طرف بڑھے، راجپوت ساحل پر سے تیر کی بارش کر رہے تھے، مگر فدائی خان سر بکف ہوکر کنارے پہنچا، اور سات سواروں کے ساتھ راجپوتوں پر حملہ آور ہوا، مگر وہ جہانگیر کی قیامگاہ تک نہ پہنچ سکا، مجبوراً پھر دریا عبور کرکے دوسری طرف آیا، شاہی فوج نے پایاب راستہ سے دریا کو عبور کرنے کی کوشش کی، نورجہان شہریار کی بچی اور اُس کی آتکہ کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوکر دریا میں داخل ہوئی، اس کی عماری پر دو ترکش، دو کمان، اور ایک بندوق تھی، شاہی فوج دریا میں تھوڑی دور آگے بڑھی تھی کہ اس میں کئی غار ملے، جس سے فوج کا تسلسل ٹوٹ گیا، اور وہ علٰحدہ علٰحدہ ہوگئی، مہابت خان کے راجپوت سپاہیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر ہاتھیوں کی قطار کھڑی کردی، اور تیروں کی بارش شروع کردی، تفنگ کے گولے اور بان بھی برسانے لگے لیکن پھر بھی نورجہان کی جان نثار اور جانباز فوج ساحل پر پہونچ گئی، اور تیر و سنان کی جنگ ہونے لگی، فریقین کے لشکریوں کے خون سے دریا لالہ زار ہو رہا تھا، اسی دار و گیر میں راجپوت تیر اندازوں کا

ایک تیر نورجہان کی عماری میں شہریار کی بچی کے بازو میں جا لگا، عماری رنگین ہو گئی، لیکن نورجہان نے کسی قسم کی پریشانی ظاہر نہیں کی، بچی کے بازو سے تیر نکال کر زخم کو باندھ دیا، راجپوتون نے نورجہان کے ہاتھی اور فیلبان کو تلوار اور برچھے سے زخمی کرنے کی کوشش کی، جس سے ہاتھی سراسیمہ ہو کر دریا کی دوسری طرف بھاگا، مگر کچھ فوجی ایسے تھے، جو ساحل پر پہنچ کر تیرون کی ایسی مسلسل بارش کرتے رہے کہ راجپوت ان کو آگے بڑھنے سے روک نہ سکے، اسی یورش میں فدائی خان بندگان شاہی کی ایک مخلص جماعت کو لے کر جہانگیر کی قیامگاہ تک پہنچ گیا، سراپردہ کے اندر سوار اور پیادے بھرے ہوئے تھے، اس لئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اس نے تیراندازی شروع کر دی، اس کے اکثر تیر خلوت خانہ کے صحن میں جہانگیر کے پاس گر رہے تھے، مخلص خان جہانگیر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے کو تیر قضا کا سپر بنا لیا، اگر پھر بھی فدائی خان کی شجاعت اور جانبازی جہانگیر کو رہا کرانے میں کامیاب نہیں ہوئی،[۵۰]

تیموری شاہزادے یا شاہی فوج کے عہدیدار میدانِ جنگ میں ہاتھی کے ہودج میں ہوتے تو تیر و کمان ہی سے لڑتے، اور تیرون سے زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے منہ موڑنا اپنی حمیت، غیرت اور شجاعت کے خلاف سمجھتے تھے، سموگڈھ کی جنگ میں شاہزادہ مراد نے دارا کے تیراندازون کا مقابلہ جس ہمت، دلیری، اور پامردی سے کیا تھا، وہ تاریخ ہندوستان کا ایک عجیب و غریب کارنامہ سمجھا جاتا ہے، اس کی عماری پر چار ہزار ایک تیر چلا رہے تھے، ہاتھی کا ہودج تیرون سے چھلنی ہو کر خارپشت (سیہی) سا ہی بن گیا تھا، مگر اس عالم رستخیز میں بھی مراد ہمت و استقلال کا پہاڑ بنا ہوا دشمنون کے تیرون کا مسلسل جواب دیتا رہا، اس کا فیلبان زخمی ہو کر نیچے گر پڑا، تو اس نے فوراً ہاتھی کے پاؤن میں زنجیر ڈلوا دیے، راجپوت مراد کی اس ہمت و پامردی کو دیکھ کر آگے بڑھے، راجہ رام سنگھ راٹھور لڑتا ہوا

---

[۵۰] اقبالنامہ جہانگیری ص ۲۶۹، ۲۷۰، مآثر الامراء جلد سوم ص ۱۵ (۱۴) خافی خان جلد اول ص ۳۶۶-۳۶۸،

مراد کے ہاتھی تک پہنچا، نفرت اور غرور میں بدمست ہو کر چلایا تو دارا کے مقابلہ میں تخت و تاج کی ہوس رکھتا ہے، یہ کہکر اس نے مراد پر برچھے سے وار کیا، بہادر شہزادہ نے وار بچا کر راجہ کو ایسا تیر لگایا کہ وہ گھوڑے سے گر کر پھر اٹھ نہ سکا، راجپوت اپنے سوار کو اس طرح مرتے دیکھ کر دیوانہ وار مراد کے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے، ان کے حملہ سے مراد کے چہرہ پر تین کاری زخم لگے، مگر وہ جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتا گیا، اس کے تیرون سے اتنے راجپوت زخمی ہوئے کہ ہاتھی کے اردگرد زمین ارغوانی اور زعفرانی ہو گئی، مراد کا یہ ہودج دودمان تیموری کی شجاعت، جانبازی اور پامردی کی یادگار میں خزانہ عامرہ میں آخر آخر وقت تک محفوظ رہا، فرخ سیر کے زمانہ میں سادات بارہہ نے تیموری خاندان کے افراد پر استیلا اور غلبہ پانے کی کوشش کی، تو فرخ سیر کی بہن نے غصہ میں ان سے کہا کہ ہم اس خاندان کے افراد ہیں جن کی شجاعت کی یادگار یہ شبک ہودج اب تک محفوظ ہے،[۵۱]

جاجو کی جنگ میں اعظم شاہ کا سارا جسم تیرون کے زخمون سے خون آلود ہو گیا تھا، لیکن اس نے اپنے زخمون کی پرواہ مطلق نہ کی، اور بہادری سے لڑتا گیا، یہانتک کہ ایک گولی کے نشانہ سے جان بحق ہوا، اس کے لڑکے بیدار بخت کا بدن بھی تیرون سے چھلنی ہو گیا تھا، مگر اس نے اپنے ہاتھی کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ ایک گولی سے اسکا کام بھی تمام نہ ہو گیا، اسی جنگ میں شہزادہ عظیم الشان اپنے باپ بہادر شاہ کی حمایت میں ہاتھی پر بیٹھکر لڑ رہا تھا کہ اعظم شاہ کے دو فوجی سردار خان عالم اور منور خان نے جو صف شکنی کے لئے مشہور تھے، اپنے اپنے ہاتھیون کو عظیم الشان کے ہاتھی کی طرف بڑھایا، خانِ عالم نے تین بار نیزہ سے شہزادہ عظیم الشان پر حملہ کیا، لیکن شہزادہ وار بچاتا رہا۔ اور موقع پاکر اپنے چلہ کمان سے خانِ عالم پر تیر کا ایسا نشانہ لگایا کہ وہ تڑپتا ہوا ہودج میں گر گیا، منور خان اپنے بھائی خان عالم کو ہلاک ہوتے دیکھ کر عظیم الشان پر نیزہ سے حملہ آور ہوا،

---

[۵۱] خافی خان جلد دوم ص ۳۰،

شہزادہ نے اس نیزہ کے وار کو بھی روکیا، پھر یکایک توپ کے ایک گولہ سے منور خان بھی لقمۂ اجل ہو گیا[۵۱]

دکن میں بہادر شاہ اور کام بخش میں جنگ جانشینی ہوئی تو کام بخش تیروں سے ایسا زخمی ہوا کہ اس کے ہاتھی کا ہودج اس کے خون سے گلرنگ ہو گیا، مگر اس حالت میں بھی وہ خود غنیم پر تیر چلاتا رہا، اس کے دو ترکش خالی ہو گئے تو دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اس کا لڑکا محی السنت بھی تیروں کی مسلسل بارش سے زخمی ہوا، ہاتھی پر فیلبان اور اس کے ہمراہی مارے گئے، وہ زخمی ہو کر خود نڈھال ہو گیا تھا، مگر اس نے میدانِ جنگ سے منہ موڑنا گوارا نہیں کیا، فیلبان کے مرنے پر ہاتھی خود ہانکنے لگا لیکن گولیوں کے زخموں سے بیہوش ہو گیا، تو ہاتھی ادھر اُدھر بہک گیا[۵۲]،

۱۱۲۴ھ میں فرخ سیر سادات بارہہ کی مدد سے جہاندار شاہ کے خلاف تخت و تاج کا دعویدار ہوا تو فریقین میں آگرہ کے پاس جنگ ہوئی، اس لڑائی میں فرخ سیر کی حمایت میں سید حسین علی خان اور سید عبد اللہ خان دونوں بھائیوں نے شجاعت اور مردانگی کے اعلیٰ جوہر دکھائے، جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی، تو سید حسین علی خان ہاتھی سے نیچے اُتر آیا، اور ہاتھ میں تلوار لے کر پا پیادہ لڑنے لگا، غنیم کے تورانی تیرانداز جگہ کاٹ کر سید حسین علی خان کے پیچھے آگئے، اور اس کو تیروں سے ایسا زخمی کیا کہ وہ زمین پر گر کر بیہوش ہو گیا، اس کا گرنا تھا کہ سادات بارہہ نے اس کو گھیر لیا، اور اس کے جسم کو مزید گزند سے بچانے کی خاطر خود کٹ کٹ کر مرنے لگے، فوج کے دوسرے حصہ میں سید عبد اللہ خان بھی تورانی تیراندازوں کی تاب نہ لا کر دوسری طرف رخ کرنا چاہتا تھا کہ یکایک جہاندار شاہ کی طرف سے عبد الغفار خان سید عبد اللہ خان کے ہاتھی کے پاس پہنچا، اور چلّۂ کمان سے ایک تیر نکال کر عبد اللہ خان کو نشانہ بنایا، لیکن موخر الذکر نے نہایت سرعت سے اپنی کمان سے ایک تیر ایسا چلایا کہ عبد الغفار خان کا تیر اس سے ٹکرا کر بیچ ہی میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، سید عبد اللہ خان نے

---

[۵۱] خافی خان جلد دوم ص ۵۰، ۵۱۰ وغیرہ [۵۲] ایضاً ص ۶۲۳، ۶۲۵؛

فوراً ہی ایک دوسرا تیر مارا جس سے عبد الغفار خان زخمی ہو کر دوسری طرف مڑ گیا، اسی اثنا میں سید عبد اللہ خان کی مدد کو کمک پہنچ گئی، جس کی مدد سے سادات بارہہ نے جہاندار شاہ کے ہاتھی پر تیروں کی اتنی بارش کی کہ ہاتھی خوف زدہ اور سراسیمہ ہو کر اپنے لشکریوں ہی کو پامال کرنے لگا، اس کے بعد جہاندار شاہ کی فوج میدانِ جنگ میں نہ ٹھہر سکی[۵۳]؛

محمد شاہ نے سادات بارہہ کے خلاف حسن پور کے میدان میں جنگ کی، تو سید عبد اللہ خان بڑی دلیری اور شجاعت سے لڑا، اس کے جسم پر آہنی لباس تھا، جس کی وجہ سے اس کو زخمی کرنا آسان نہ تھا، اس کے ہودج پر تیروں کی مسلسل بوچھاریں آرہی تھیں، محمد شاہ خود اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنائے ہوئے تھا، عبد اللہ خان بہادری کے جوش میں شمشیر اور سپر سے پا پیادہ لڑنے کی خاطر ہاتھی سے نیچے اُتر آیا، مگر اس نے ہاتھی کا ہودج چھوڑا تو اُس کے ہمراہی سمجھے کہ وہ مارا گیا، اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، مگر عبد اللہ خان کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، وہ جانبازی سے لڑتا رہا کہ یکایک کسی قادر تیرانداز نے تاک کر اس کی پیشانی پر ایک تیر لگایا، اس تیر کی زد سے وہ سنبھلنے نہ پایا تھا کہ کسی نے بڑھ کر شمشیر سے اس کے ہاتھ پر ایک ضرب کاری لگائی جس سے بے بس ہو کر وہ شاہی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا[۵۴]،

عام طور سے ازبک[۵۵] اور تورانی تیراندازی میں بڑے مشاق اور ماہر سمجھے جاتے تھے، تورانیوں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے ہر تیر سے گھوڑے کی پیٹھ اُس کے سوار سے خالی کر دیتے تھے، تیروں کا حملہ روکنے میں افغانی امتیازی حیثیت رکھتے تھے، عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان جنگ جانشینی ہوئی تو اول الذکر کے افغانی لشکریوں کے اردگرد تیروں کی جو بارش ہوئی تو محو رخون کا بیان ہے کہ

---

[۵۳] خافی خان جلد دوم ص ۶۸۳، ۷۰۷، مآثر الامراء جلد اول ص ۳۲۳ و جلد سوم ص ۱۳۳، ۱۴۴ [۵۴] مآثر الامراء جلد سوم ص ۱۳۵-۶ و سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۴۲، ۴۴۱ [۵۵] ۱۰۹۶ھ میں بلخ کی مہم میں شاہجہانی فوج پر بارہ ہزار ازبک تیرانداز

افغانی اسی کو بچوں کی یارش تصور کر رہے تھے،

تیموری شہزادوں کو تیر اندازی کی اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی، جہانگیر کی تیر اندازی کی مہارت یہ تھی کہ وہ ایک ہی تیر سے بھیڑیے کو ہلاک کر دیتا تھا، حالانکہ مشہور ہے کہ بھیڑیے بیس بیس تیس تیس تیر کھا کر بھی نہیں مرتے، وہ خود تزک میں لکھتا ہے :-

"ایک بھیڑیا میرے سامنے آیا، میں نے ایک تیر اس کے کان کے پاس مارا، جو قریب ایک بالشت کے پیوست ہوگیا، وہ بھیڑیا اس تیر سے گر کر ہلاک ہوگیا، اکثر ایسا ہوا ہے کہ میرے سامنے سخت کمان والے جوانوں نے بھیڑیے کو بیس تیر، تیس تیر مارے ہیں، مگر وہ نہ مرا، اپنے بارے میں کچھ لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے ان واقعات کو لکھنے میں زبان قلم کو کوتاہ رکھتا ہوں"[۵]

اورنگ زیب اپنے بڑے لڑکے شہزادہ سلطان محمد کو برابر تاکید کیا کرتا تھا کہ وہ روزانہ دو گھڑی تیر اندازی اور بندوق کی مشق میں صرف کیا کرے[۶]

شمشیرزنی | جب غنیم کی صفوں میں تفنگ، تیر یا کبھی ہاتھیوں کی یورش سے انتشار، خلل اور رخنہ پیدا ہو جاتا تو سوار اپنی اپنی تلواروں کو سونت سونت کر مخالف فوجوں کے ساتھ گڈ مڈ ہو جاتے، جس کو معاصر مورخین چپقلش مردانہ یا چپقلش رستمانہ کہتے ہیں، اصلی شجاعت تلواروں ہی سے لڑنے میں سمجھی جاتی،

قندھار کی دوسری جنگ میں ایرانی لشکریوں کے پاس آتشیں اسلحہ کی کثرت تھی، تو شاہجہانی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۱) ایک ساتھ تیر چلا رہے تھے، جس سے قریب تھا کہ شاہی فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں مگر پھر توپ اور تیغ و سنان کی زد ان پر ایسی پڑی کہ افغانیوں کی فتح ہزیمت بدل گئی، خافی خان جلد اص ۲۶۵[۵] تزک جہانگیری ص ۲۷۰ [۶] رقعات عالمگیری معارف پریس، ص ۲۰۱

فوج ان کو طعنہ دیتی تھی کہ وہ اپنی بزدلی اور کم ہمتی کے سبب تلواروں سے لڑنے کے بجائے توپوں اور بندوقوں سے جنگ کرنے کے عادی ہیں، اعظم شاہ جاجو کی جنگ میں شریک ہوا تو اپنی بہادری اور شجاعت کے نشہ میں مخمور ہو کر بار بار کہتا کہ توپ و تفنگ تو بازیچۂ اطفال ہیں، بہادروں کا ہتھیار تلوار ہے، جنگ کا فیصلہ تلوار ہی سے ہونا چاہئے،

لڑائی جب زور شور کی ہوتی اور بہادر لشکری دلیری اور سرفروشی کے نشہ سے سرشار ہو جاتے تو وہ اپنے ہاتھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سے نیچے اتر آتے تاکہ یہ بے قابو ہو کر دھوکہ نہ دیں، پھر زمین ہی پاؤں جما کر کھڑے ہو جاتے، اپنی پوشاک کے دامن کو سمیٹ کر کمر سے باندھ لیتے، اور ہاتھ میں تلوار لے کر لڑنا شروع کر دیتے، دائیں بائیں آگے پیچھے بڑی پھرتی سے اپنی تلوار سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارتے، اور اپنی جان کی فکر مطلق نہ کرتے، یہ شجاعت اور بہادری کی اعلیٰ مثال سمجھی جاتی

دھرمات کی جنگ میں اورنگ زیب کے ہراول کی طرف راجپوت بڑھے، تو ذوالفقار خان نے محسوس کیا کہ بڑا نازک موقع آگیا ہے، اور دشمنوں کے یلغار کو روکنے کی ضرورت ہے، وہ اپنے گھوڑے پر سے اتر گیا، اور ہاتھ میں تلوار لے کر تنہا راجپوتوں میں کود پڑا، اور پھر قدم جما کر شجاعت اور جانبازی کا پیکر بن کر لڑا، اس کا جسم متواتر زخموں سے خون آلود ہوگیا، لیکن اس کی سپاہیانہ غیرت اور حمیت نے دشمنوں سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا،[۱]

اس واقعہ کو مورخوں نے بڑے آب و تاب سے لکھا ہے، چنانچہ منشی محمد کاظم بن محمد امین عالمگیر نامہ میں لکھتا ہے :-

"ذوالفقار خان بآئین دلاوران ناموس جوئے ہندوستان کہ چون کار جنگ تنگ شود از اسپان پیادہ شدہ دل بر ہلاک می نہند و اکثر اوقات بہ حسن ثبات قدم در سوخ

[۱] عالمگیر نامہ ص ۷۶،

عزیت قیم را ہزیمت می دہند، از اسپ فرود آمدہ با معدودی پائے ہمت وجلادت بقصد نیل سرخروئی وشہادت در میدان وغا افشردہ داد شجاعت ودلیری دادہ دران آزمونگاہ جوہر مردانگی گوئے ثبات واستقلال از اقران وامثال برد، اگرچہ گل زخمی از شاخسار مردی چید، لیکن بہ برکتِ توجہات والائے حضرت شاہنشاہی ومیامن حسن اعتقاد ونیکو خواہی از آسیب ہلاک ایمن ماند"[5]

بہادر شاہ کی وفات کے بعد عظیم الشان اور جہان شاہ مین جنگ ہوئی، تو عظیم الشان کی طرف ممتاز خان نے اسی شجاعت اور مردانگی کی مثال پیش کی، لڑائی تیز ہوئی تو وہ لڑتا ہوا جہان شاہ کے پاس پہنچا اور گھوڑے سے کود کر پیادہ ہوگیا، اور کبھی تیر چلایا، اور کبھی دشمنون کو اپنی تلوار سے لقمۂ اجل بناتا، اسی بہادری سے وہ لڑتا گیا، یہان تک کہ دشمنون کو پیچھے ہٹنا پڑا،

سادات بارہہ لڑائی کی سرزمین مین قدم جما کر تلوار سے لڑنے مین بہت مشہور تھے، ۱۱۲۳ھ مین سید حسین علی خان فرخ سیر کی حمایت مین جہاندار شاہ سے لڑا، تو میدانِ جنگ مین ہاتھی سے اتر کر اپنی شمشیر آبدار کے جوہر خوب دکھائے، مآثر الامراء مین ہے:-

"حسین علی خان در روزِ جنگ کہ در حوالی مستقر الخلافہ با جہاندار شاہ اتفاق افتاد باتفاق حسن بیگ صف شکن خان کہ نائب صوبہ داری اڈیسہ بود وزین الدین خان پسر بہادر خان روہیلہ بمقابل ذوالفقار خان کہ توپ وضرب زن بسیار پیش رو چیدہ ایستادہ بود، اسپان تاختہ بزنجیرۂ توپخانہ در آمد، چون عرصہ برخود تنگ دید، باین ناموس پرستان ہند پیادہ گشتہ بزخمہائے طاقت ربا بزمین افتاد"[6]

---

[4] عالمگیر نامہ ص ۷۰ [5] ایضاً [6] مآثر الامراء جلد اول ص ۳۲۳ خافی خان مین ہے :-

"حسین علی خان چنان عرصہ کارزار تنگ گردید کہ بہ معدود بہادران تہور پیشہ ہندوستان

قطب الملک سید عبد اللہ خان نے بھی (سید حسن علی خان کا بھائی) حسن پور کی جنگ مین اسی جوہر شجاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، لڑائی شدت پر تھی کہ سید عبد اللہ خان شمشیر اور سپر لے کر ہاتھی سے نیچے اتر آیا، اور جن دشمنون نے اس کو گھیر رکھا تھا، ان سے نہایت بڑی دلیری کے ساتھ جنگ کرنے لگا، وہ سر سے پاؤن تک آہنی لباس مین ملبوس تھا، اس لئے اس کو زخمی کرنا آسان نہ تھا، وہ دشمنون کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتارتا رہا، مگر قسمت نے یاوری نہین کی، یکایک اس کی پیشانی پر ایک تیر لگا، اور اسی کے ساتھ کسی نے بڑھکر تلوار سے اس کے ہاتھ کو زخمی کیا، جس کے بعد دشمنون کے ہاتھون گرفتار ہوگیا،[1]

ایک سپاہی تلوار کی ضرب جس قدر زیادہ تیزی، پھرتی اور سختی سے لگاتا، اسی قدر وہ بہادر اور آزمودہ کار سمجھا جاتا، اکبر اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب مین شیر کو ہلاک کر ڈالتا تھا،[2] عالمگیر نے اپنی شہزادگی کے زمانہ مین ایک مست ہاتھی کو اپنی تلوار سے زخمی کرکے اس کو پیچھے ہٹا دیا تھا،[3] بہادر سوار گھوم گھوم کر اپنی تلوارون سے ہاتھیون پر حملہ کرتے، اور ان کو زخمی کرکے پسپا کر دیتے، مست ہاتھی کے قریب آکر تلوار کی ضرب سے اس کی سونڈ کو اڑا دینا، اور پاؤن کو بیکار کر دینا کوئی بڑی بات نہین سمجھی جاتی تھی،[4]

نیزہ بازی | نیزہ (سنان یا گرز یا برچھا) عموماً راجپوتون کا ہتھیار ہوتا، مگر مسلمان سپاہی اس ہتھیار سے بھی لڑکر کبھی اپنی شجاعت کا جوہر دکھلاتے تھے، مخالف سوار یورش کرکے گڈمڈ ہوجاتے، تو لمبے نیزون اور برچھون سے ان کی چپقلش روکی جاتی،[5] مخالف سوارون کے تیز رفتار گھوڑے کبھی گزر ...

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۴) خود را از فیل انداختہ با چندے از شجاعت پیشگان بارہہ تردد رستمانہ نمود، بعد برداشتن زخمہائے کاری بے خبر گشتہ در معرکہ افتاد (جلد دوم ص ۷۰۳)

[1] خافی خان جلد دوم ص ۹۳۲، وسیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۱۰-۴۴۴ [2] اکبر نامہ جلد دوم ص ۴۴۲ [3] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۴۹۰-۴۸۹ [4] مثال کے لئے دیکھو تزک جہانگیری ص ۴-۱۰۳، عمل صالح جلد دوم ص ۳۲ [5] اکبر نامہ

سنان ہی سے زخمی کئے جاتے تھے، ہاتھیون کو مجروح کرنے مین بھی یہ ہتھیار موثر ثابت ہوتے تھے،[۱]
مخالف سوار ہاتھیون کے قریب آکر ہودج نشینون پر نیزون اور برچھون ہی سے وار کرتے تھے،[۲]

کرنال کی جنگ مین نادر شاہ کے ایک نیشاپوری سوار نے اپنے نیزہ کے استعمال کا ایک عجیب و غریب نمونہ پیش کیا، شدت کی لڑائی جاری تھی کہ یہ نیشاپوری سوار محمد شاہ کے فوجی سردار سعادت خان کے ہاتھی کے پاس پہنچا، اور پھرتی سے اپنا نیزہ زمین مین نصب کیا، گھوڑے کی باگ نیزہ سے باندھ دی، اور سعادت خان کے ہاتھی کے ہودج کی جو ڈور کی نیچے لٹک رہی تھی، اس کو پکڑ کر آناً فاناً ہودج

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۵) سترہوین سال جلوس مین ابراہیم حسین مرزا کے خلاف گجرات مین جنگ کر رہا تھا، تو اس لڑائی کے سلسلہ مین ابوالفضل رقمطراز ہے،

"دورین وقت کہ (ہر طرف ہنگامۂ جان فشانی و جان ستانی گرم بود) سہ دلیرے بے ازرم از گروہ مخالف بصورت شہریار شیر دل تاختند یکے ازان بدنہادان پیش دستی نمودہ متوجہ راجہ بھگونت داس شدہ نیزہ حوالہ کرد، راجہ پیشتر ازان پا در رکاب محکم کردہ ایستادہ می باشد گر برچھہ خود را باو رسانند نیزۂ او خالی افتاد و راجہ برچھہ خود را بران بد برآئین زد کہ حال دگرگون شدہ برگشت" (اکبرنامہ جلد سوم ص ۱۵)

[۱] مثال کے دیکھو فرشتہ جلد اول ص ۲۰۰، عبدالحمید لاہوری جلد اول ص ۵۰۹-۴۰۸، خافی خان جلد اول ص ۶۷۴

[۲] سموگڈہ کی جنگ مین مراد کے ہاتھی پر راجپوتون کا حملہ ہوا، تو خافی خان رقمطراز ہے:-

"درین حال راجہ رام سنگھ کہ میان راجپوتان بہ تہوری شہرت نام داشت، سہرۂ مروارید بیش قیمت بر سر بستہ رخت زعفرانی با ہمہ ہمرہان بدعویٰ پر دلی پوشیدہ جلو ریز خود را بفیل سواری محمد مراد بخش رسانده بے باکانہ و گستاخانہ گفت تو مقابل دارا شکوہ ہوس بادشاہی در سرداری و برچھہ طرف محمد مراد بخش انداخت و بر عادت جماعت تمام بانگ زدہ گفت کہ

پر چڑھ گیا، جس کے بعد محمد شاہ کا فوجی سردار بے بس تھا،[۳]

مندرجۂ بالا اسلحہ کے علاوہ دست بدست لڑائی مین جمدھر، خنجر، کھپوا، گرز اور تیر بھی کبھی کبھی استعمال کئے جاتے تھے،

جنگی حیلے | جنگی حیلون مین یہ حیلہ عام طور سے رائج تھا کہ لشکری میدان جنگ سے بظاہر بھاگتے نظر آتے، اور جب ان کے دشمن اُن کا تعاقب کرتے ہوے کچھ دور آگے بڑھ جاتے، تو وہ پلٹ کر اُن پر حملہ کر دیتے، اس قسم کے جنگی فریب کی مثالین ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے ہر دور مین ملتی ہین، شہاب الدین غوری نے رائے پتھورا پر جو فتح و کامرانی حاصل کی تھی، اس مین اس قسم کا جنگی حیلہ بھی معاون ہوا تھا،[۴]

سلطان فیروز شاہ تغلق پہلی بار شمس الدین کے خلاف لکھنوتی جنگ کرنے گیا، تو وہ یعنی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶) فیل را بنشان آن بہادر شیر صولت حملہ آور اردو نمودہ چنان تیر جان ستان بہ پیشانی او رسانند کہ از خانۂ زین سرنگون ساخت، (جلد دوم ص ۷۲)

۱۱۱۹ھ مین شاہ عالم اور اعظم شاہ کی جنگ جانشینی کے سلسلہ مین خافی خان لکھتا ہے،

"وہر لحظہ آتش پیکار شعلہ میگردید تا آنکہ خان عالم و منور خان کہ از دلاوران صف شکن دکن گفتہ می شدند، و در مبارزت بارہا علم شہرت برافراشتہ بودند نعرہ زنان فیل جرأت مقابل فیل محمد عظیم پیش راندند، و منور خان بے باکانہ بحملۂ رستمانہ نیزہ طرف شاہزادہ انداخت محمد عظیم نیزۂ او را رد کرد، آن نیزہ بر جلال خان قراول ردیف محمد عظیم رسید، محمد عظیم تیر بحلۂ کمان در آوردہ چنان بہ سینۂ حریف رسانند کہ کار او ساختہ شد (جلد دوم ص ۵۹۱)

[۳] سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۸۳، مآثر الامرا جلد اول ص ۴۶۵،

[۴] طبقات ناصری ص ۱۲۰،

سلطان فیروز لکھنوتی چھوڑ کر پیچھے چند میل ہٹ گیا، شمس الدین کی فوجوں نے خیال کیا کہ سلطان فیروز پسپا ہو کر مراجعت کر رہا ہے، اس لئے وہ قلعہ سے نکل کر باہر آگئیں، اور شاہی فوج کا پیچھا کرنے لگیں لیکن اُن کو شکست کھانی پڑی[1]،

شیر شاہ بنگال میں ابراہیم خان کے خلاف سورج گڑھ کے مقام پر صف آرا ہوا، تو اُس نے بھی اپنے غنیم کو جنگی فریب ہی سے شکست دی، لڑائی شروع ہونے سے پہلے اُس نے اپنے فوجی سرداروں کو حسب ذیل ہدایتیں دیں،

"غنیم کے لشکر میں بہت سے ہاتھی، بہ کثرت بندوقیں اور کثیر التعداد پیدل سپاہی ہیں، لیکن ہم اُن سے اس طرح لڑیں کہ وہ اپنی اصلی صفوں کو برقرار نہ رکھ سکیں، اُن کے سواروں کو ہم بندوقچیوں سے علحدہ کر دیں، اور اُن کے پیدل سپاہیوں اور سواروں کو ان کے ہاتھیوں کے ساتھ گڈمڈ کر دیں تاکہ ان کی فوج میں ترتیب باقی نہ رہے، میرے ذہن میں ان بنگالیوں کو شکست دینے کی ایک ترکیب ہے، سامنے ایک پہاڑی ہے، اپنی فوج کی ایک بڑی تعداد کو اس پہاڑی کے پیچھے لے جا کر کھڑی کر دوں گا، لیکن تجربہ کار اور جری شہسواروں کی ایک مختصر جماعت کو جارحانہ حملہ کرنے کے لئے تیار رکھوں گا، غنیم اسی طرح لڑیں گے جس طرح کہ پہلے لڑ چکے ہیں، ان کو اپنی شکست کا مطلق خیال نہ ہوگا، میں اپنے منتخب دستہ کو آگے بڑھاؤں گا، وہ بنگال کی فوج پر تھوڑی دیر تک تیر چلا کر پیچھے ہٹتے نظر آئے گا، ابراہیم خان کو یقین ہو جائے گا کہ اس کی طاقت ور فوج سے پسپا ہو کر افغان بھاگ رہے ہیں، ابراہیم خان کے حوصلے بڑھ جائیں گے، اور میری فوج پر اور بھی زیادہ دباؤ ڈالنے کے لئے اپنی توپوں اور

[1] تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف ص ۱۱۴،

پیدل سپاہیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ آئے گا، اس طرح اس کی صفوں میں بے ترتیبی پیدا ہو جائے گی، اس کے بعد میں پہاڑی کے پیچھے سے اپنی فوج کو لے کر غنیم پر حملہ کر دوں گا، اس طرح بنگالی سوار توپخانے اور پیدل سپاہیوں کی مدد سے بالکل محروم ہو جائیں گے اور وہ افغان شہسواروں کا مطلق مقابلہ نہ کر سکیں گے،

یہ ترکیب بڑی ہوشیاری اور ہوشمندی سے عمل میں لائی گئی، اور وہی ہوا جس کی امید شیر خان کو تھی، ابراہیم خان کی فوج دام فریب میں پھنس گئی[1]،

اکبر نے اپنے انیسویں سال جلوس میں داؤد کے خلاف اپنی فوج بنگال بھیجی، تو لڑائی کے درمیان شاہی فوج کے التمش اور قول کو شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا، ان فوجوں کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر داؤد سمجھا کہ یہ ان کا محض فریب ہو، اس لئے اس نے ان کا تعاقب نہیں کیا، اسی اثنا میں شاہی فوج کے داہنے بازو سے اُن کی مدد کے لئے کمک پہنچ گئی، پھر داؤد کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی[2]،

تیموری بادشاہ اس قسم کے جنگی فریب کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے ان کی لڑائیوں میں دجل و مکر کی مثالیں مطلق نہیں ملتی ہیں، کرنال کی جنگ میں نادر شاہ کے بعض دستے میدان جنگ سے بھاگتے نظر آئے، اس طرح کہ اپنے گھوڑوں کی پیٹھ پر الٹے منہ بیٹھ گئے، اور تیر اور بندوق چلاتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو بھگا لے گئے، محمد شاہ کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ وہ ایک کمین گاہ کے پاس پہنچ گئے، جہاں سے نادر شاہ کے سیکڑوں بندوقچی نکل کر ان پر بُری طرح حملہ آور ہوئے،

اس قسم کا جنگی فریب بڑی احتیاط اور ہوشمندی سے عمل میں لایا جاتا، اور جب بھاگتی ہوئی فوج پلٹ کر لڑتی تو اس کو دوگنی قوت، غیر معمولی تیزی اور پامردی سے لڑنا پڑتا،

[1] تاریخ فیروز شاہی از عباس خان سروانی، الیٹ جلد چہارم ص ۳۴۴ - ۳۴۱ [2] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۲۶،

شبخون غنیم کے لشکر پر رات کے آخری حصہ مین اچانک حملہ کرنا بھی ایک جنگی فریب تھا، یہ پرانا طریقہ اس وقت سے جاری تھا جب کہ انسانون مین لڑائیان شروع ہوئین، لیکن یہ ادنیٰ قسم کا وار سمجھا جاتا تھا، رات کے اس اچانک حملہ کو شبخون کہا جاتا تھا، اور یہ حملہ اسی وقت کیا جاتا جب کہ غنیم کی لشکر گاہ پوری طرح محفوظ نہین ہوتی، حملہ آور کسی طرح غنیم کی لشکر گاہ مین چپکے سے گھس جاتے، اور پھر انتشار و اختلال پیدا کر دیتے، شبخون سے محفوظ رہنے کے لئے فوج چار دستون مین تقسیم کر دیجاتی،

(۱) پیدل سپاہی تیر و کمان، تلوار، نیزے اور سپر سے مسلّح ہو کر لشکر گاہ مین داخل ہونے کے راستے پر متعین کر دیئے جاتے،

(۲) دائین بازو یعنی یمین اور قلب کے سپاہی اپنی جگہ پر ہوتے، اور اپنے یہان کی روشنی گُل کر دیتے تاکہ وہ دشمنون کو نظر نہ آئین، یا وہ کسی دوسری جگہ جا کر آگ روشن کر دیتے، غنیم گمراہ ہو کر وہان پہنچ جاتے، تو پھر وہ نرغے مین پھنس جاتے،

(۳) بائین بازو یعنی یسار کے سپاہی صف باندھے تیار کھڑے رہتے تاکہ غنیم کا حملہ ہو تو اس کو وہ روک سکین،

(۴) فوج کا چوتھا دستہ لشکر گاہ کو چھوڑ کر دور کے راستے پر گشت کرتا رہتا تاکہ غنیم کو کوئی مدد نہ پہنچ سکے، شبخون مارنے والے اپنے غنیم کے تمام راستون کو مسدود کر دیتے، اور چلاتے، اور شور مچاتے کہ فلان سردار مارا گیا، اور فلان آدمی قتل کر دیا گیا، اس طرح غنیم کے لشکر میں سراسیمگی اور بد دلی پھیل جاتی،[۱]

جو فوجین نسبتہً کمزور ہوتین وہی شبخون مارتین، سلاطین دہلی کی فوجین اس قسم کے جنگی فریب

---

[۱] آداب الحرب بحوالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء

پسند نہین کرتی تھیں، لیکن ان کے دشمنون کے یہان اس فریب کی مثالین ملتی ہین، مثلاً محمد تغلق نے قنوج کے پاس گنگا کے ساحل پر عین الملک کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنا پڑاؤ ڈالا، تو خوداللہ کرنے پچھلی رات کو شاہی لشکر کے اگلے حصہ پر چھاپا مارا، لشکریون مین بڑا شور مچ گیا، سلطان نے حکم دیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے، اور تلوارون سے لڑائی کی جائے، تمام لشکریون نے تلوارین کھینچ لین، اور وہ دشمن کی طرف بڑھے، لڑائی کا ہنگامہ خوب گرم ہوا، عین الملک کا ارادہ بادشاہ کے خیمہ پر چھاپا مارنے کا تھا، لیکن اس کے رہبر نے اس کو دھوکا دیا، اور وہ وزیر کی جگہ آ پڑا،[۱]

پانی پت کی پہلی جنگ مین بابر نے لڑائی کی ابتدا مین ابراہیم لودی کے لشکر پر شبخون مارنے کی کوشش کی، لیکن اس کی تزک کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس نے یہ شبخون بطیب خاطر نہین مارا، بلکہ بعض ہندوستانی امراء کے اصرار پر اپنی فوج کو شبخون مارنے کی اجازت دی، پانی پت مین اس کی فوج سات آٹھ دن پڑی رہی، اس کے تھوڑے تھوڑے سپاہی ابراہیم لودی کے لشکریون پر حملہ کرتے، لیکن یہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے، اس لئے بعض ہندوستانی امراء نے شبخون مارنے کی صلاح دی، چنانچہ چار پانچ ہزار سپاہیون کی ایک فوج شبخون مارنے کے لئے آگے بڑھی، لیکن وہ غنیم کے پاس اس وقت پہونچ سکی جب صبح ہو رہی تھی، اسی لئے وہ کچھ نہ کر سکی، اور واپس ہو گئی،[۲]

شیر خان نے چونسا کی لڑائی مین محض حیلہ و مکر سے فتح پائی، وہ ہمایون کے خلاف تین مہینے تک پڑاؤ ڈالے رہا، بالآخر اُس نے یہ اعلان کیا کہ وہ شاہ آباد ضلع کے مہارٹھ کی سرکشی کو فرو کرنے کے لئے اپنی فوج کے ساتھ وہان جائے گا، دو دن تک وہ اپنی فوج اسی طرف بڑھاتا گیا، اور جب پچیس میل آگے بڑھ چکا تو یکایک ہمایون کے لشکر گاہ کی طرف اپنی فوج کو موڑ دیا، اور

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۸۱ [۲] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۷۵

بڑی خاموشی اور تیزی سے ہمایون کے سر پر آ دھمکا، مغل فوج بالکل غافل ہوکر رات کی ٹھنڈی ہواؤں مین مزے کی نیند سو رہی تھی، افغان یکایک حملہ آور ہوئے، تو ہمایون کے کسی لشکری کو نہ تو سلح اور نہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہونے کا موقع ملا، ہمایون اپنی فوج کو جمع نہ کرسکا، اور جب اس کے سپاہی سراسیمہ ہوکر منتشر ہوگئے تو اُس نے خود میدان جنگ چھوڑ دیا اور اس کو اتنا بھی موقع نہ مل سکا کہ اپنے اہل و عیال کو اپنے ساتھ لے سکے،[51]

اکبر شبخون مارنے کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ ابراہیم حسین مرزا کے خلاف احمد آباد اور بڑودہ کے درمیان دریاے مہندری کے پاس معرکہ آرا ہوا، تو اس کے پاس زیادہ لشکری نہ تھے، اس کے فوجی سردار جلال خان نے اس کو مشورہ دیا کہ جب تک ہمارے پاس کافی فوج نہ پہونچ جائے دن میں لڑائی لڑنا مناسب نہین، بلکہ رات کو شبخون مارنا چاہئے، لیکن اکبر نے شبخون مارنے کی صلاح کو پسند نہین کیا کیونکہ شبخون جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے، "صورت تلبیس و تزویر داشت" اکبر نے اپنے لشکریون کی ہمت بڑھائی اور اُن سے کہا، کہ دن کا کام رات پر اٹھا رکھنا بالکل مناسب نہین، ہم جیتی اور ہوشمندی سے کام لیکر رزم آرا ہوجائین ہم مین سے ہر ایک شخص قوی دل ہوکر لڑے، اور یہ طے کرے کہ ہر شخص کم از کم ایک دشمن کو موت کے گھاٹ اُتارے گا،[52]

احمد آباد کے حوالی مین محمد حسین مرزا کے خلاف اکبر صف آرا ہوا تو اس لڑائی مین بھی اس کو شبخون مارنے کا مشورہ دیا گیا، لیکن اس مشورہ کو اس نے حقارت سے ٹھکرا دیا، اس موقع پر ابوالفضل لکھتا ہے:-

شبخون بود پیشۂ بے دلان   از ین ننگ دارند خیل یلان[53]

[51] تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی ایلٹ جلد چہارم ص ۴۰۵، ۴۰۷،
[52] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۳ [53] ایضاً ص ۵۱،

جہانگیر بھی اپنے باپ کی طرح شبخون کو کار بیدلان اور شیوۂ فریب کاران گمان کرتا تھا،[54] مغل فوج شبخون تو نہین مارتی تھی لیکن شبخون مارنے والون کی مدافعت کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی، اس لئے وہ اپنی لشکر گاہ کو محفوظ کرنے کے لئے اس کی چارون طرف یا تو کانٹے بچھا دیتی، یا مٹی کی دیوار کھڑی کر دیتی، یا خندقین کھود دیتی،[55]

معارف :- یہ مقالہ انگریزی مین بھی اسلامک کلچر (حیدر آباد دکن) کے ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء کے مختلف نمبرون مین شائع ہوا ہے،

[54] تزک جہانگیری ص ۱۹ [55] اکبر نامہ جلد ۳ ص ۴۲۵، و ۵۳۵، بادشاہ نامہ جلد سوم ص ۲۴۹،

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فنِ انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشاء، کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اس کی تاریخ کے مآخذ، اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت :- صر

رقعاتِ عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جنگ مین جمع کئے گئے ہین اور ان سے علم و ادب سیاست، اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت :- للعہ

منیجر

محاکاۃ و تخئیل

از

جناب مولوی کبیر احمد صاحب ایم اے صدر شعبۂ فارسی بریلی کالج

لغت مین کسی کے قول وفعل کی ہوبہو نقل کرنے کا نام محاکاۃ ہے، اصلیت کا عنصر محاکاۃ مین غالب رہتا ہے، ارسطو کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا کلام وہ ہے، جو واقعہ اور نفس الامر کے مطابق نہ ہو، اور جس کو حقیقت واصلیت سے سروکار نہ ہو، جس کا دارومدار جھوٹی اور گڑھی ہوئی داستانون پر ہو، جس کی غرض وغایت عیش وطرب کا جذبہ پیدا کرنا ہو، دور حاضر کے ماہرین کی رائے مین شاعری یا کلام کی بنیاد محض محاکاۃ پر نہین، بلکہ تخئیل و محاکاۃ دونون پر ہے، ارسطو اور اس کے رقیب دونون نے شاعری پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، مگر کسی سے بھی تسلی وتشفی نہین ہوتی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محاکاۃ اور تخئیل، دونون کا مفہوم سمجھ مین نہین آتا، سمجھ مین نہ آنے کی دو ہی وجہین ہوسکتی ہین، یا تو سمجھانے والون سے فروگذاشت ہوئی یا انھون نے تعقید کا پہلو اختیار کیا، اگر یہ نہین تو ان کے سمجھانے کا معیار اس قدر بلند وارفع ہے کہ کم فہمون کی سمجھ مین نہین آتا ہے، ان مین سے جو سبب بھی ہو، مگر یہ امر مسلم ہے کہ متقدمین اور متاخرین کے کسی طبقہ نے محاکاۃ اور تخئیل کی صحیح تعریف نہین بتلائی، کہین یہ کہا گیا کہ تخئیل کی تعریف ویسی ہی مشکل ہے جیسے شعر کی، کہین قوت اختراع کے نام سے نامزد کی گئی، کہین یہ کہا گیا کہ محاکاۃ کی ساری گلکاری و رونق تخئیل کی بدولت پائی جاتی ہے، محاکاۃ بے تخئیل جسد بے روح کی مانند ہے،

(۲) سب سے بڑی دشواری جو محاکاۃ اور تخئیل کے مسئلہ مین پیش آتی ہے، یہ ہے کہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی مین سے ان کا تعلق کس قوت سے ہو؟ یا ان کے مترادف اسماء کون کون ہین حواس ظاہری قوت باصرہ، قوت سامعہ، قوت لامسہ، قوت ذائقہ، قوت شامہ ہین، حواس باطنی حس مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور متصرفہ ہین، متصرفہ کی ذریت متفکرہ اور متخیلہ ہین، محاکاۃ مصدر ہے، یہ ایک فعل ہے، فاعل یا قوت فاعلی نہین، یہ کسی قوت فاعلہ موثرہ کا فعل واثر ہے، دوسرے الفاظ مین قصہ یا حکایت بیان کرنا ایک فعل ہے، بیان کرنے والا بیان کا غیر ہوتا ہے، دونون ایک چیز نہین، ایک ذات ہے اور ایک اس کی صفت، صفت محتاج ہے ذات کی، ایسے ہی بیان کو بیان کرنے والے کی ضرورت ہے، محاکاۃ اگر بمعنی محاکی یعنی بیان کرنے والا لئے جائین، تو بھی مذکورۂ بالا دسون حواس مین سے اس کا تعلق معلوم کرنا دشوار ہے،

لغت مین کسی کے قول وفعل کی بجنسہ نقش کشی کرنے کا نام محاکاۃ ہے، بیان کرنے والی قوت کا نام محاکاۃ نہین، گمان غالب یہ ہے کہ جس کلام کی بنا گڑھے ہوئے قصون اور افسانون پر ہو اس مین متخیلہ کی ریشہ دوانی ضروری ہے، اس لئے محاکاۃ بھی متخیلہ کا ہی کارنامہ ہے،

(۳) تخئیل کے معنی ہین تصویر خیال الشیئ فی النفس یعنی صورت ذہنیہ یا قلبیہ کی نقش کشی کا نام تخئیل ہے، یہ بھی مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی مین لیا جاسکتا ہے، متخیلہ کوئی قوت باطنی نہین گو متصرفہ کی ایک قسم ضرور ہے، اگر تخئیل سے مراد متخیلہ ہے، تو چندان دشواری نہین، اس لئے کہ متخیلہ وہ قوت دماغی ہے، جو عقل کو پس پشت ڈال دیتی ہے، اور من گھڑت اور فرضی داستانون کی سخن سازی مین مصروف رہتی ہے، تاکہ غیر متین لوگ اس سے لطف اندوز ہون، متخیلہ کا ابلہ فریب زربفت جھوٹ اور باطل کے تار وپود سے طیار ہوتا ہے،

راقم کی رائے ناقص مین یہ ہے کہ محاکاۃ اور تخئیل دونون قوت متخیلہ کے در کے بھکاری ہین، انکے

دامن مین جو کچھ بھی ہے وہ سب تخیلہ کے دست نوال و فضل کا نتیجہ ہے، تخیلہ اور محاکات دونون مفہوم کے اعتبار سے ایک ہین، گو نام جداگانہ ہین، غرض و غایت بھی دونون کی ایک ہے، یعنی عیش و طرب کی جذبہ آفرینی، البتہ چند باتون مین بظاہر مختلف نظر آتے ہین، یون سمجھئے کہ دونون کی منزلِ مقصود ایک ہے، گو راستے جدا جدا ہین،

(۴) سب سے پہلا مصنف جس نے فنِ بلاغت مین کتاب لکھی ارسطو ہے، اس کی راے مین شاعری کی بنیاد محاکاۃ پر ہے، لیکن دورِ حاضر کے ماہرین کے نزدیک شاعری مین محاکاۃ اور تخئیل دونون کی ضرورت ہے، ارسطو نے یہ کتاب شباب کے زمانہ مین لکھی تھی، خود شاعر نہ تھا، یونان کے مشاہیر شعراء سوفاکلیس و ہومروس کی نظمین نشاط انگیزی کے لئے لکھی گئی تھین، جن مین جھوٹ کا عنصر غالب تھا، اس لئے ارسطو نے اپنے دور کی شاعری کا تذکرہ محققانہ طور پر کتاب مذکور مین کیا ہے، سکندرِ اعظم کا زمانہ یونانی تاریخ کا دورِ زرین ہے، یونانیون کا تعیش و تمدن اس زمانہ مین اوجِ شباب پر تھا، ناز و نعمت کی بہتات تھی، بزمِ عیش کا دور دورہ تھا، ایسے زمانہ مین جب زندگی کے ہر شعبہ مین فطرتِ انسانی تکلفات کی ایجادات کی طرف مائل تھی، شاعری کی بنیاد کس طرح سادگی اور سچائی پر رہ سکتی تھی، ایک زمانہ تک بلاشبہ یونانی اپنی شاعری مین سچے جذبات کی ترجمانی کرنے، اور حقیقی شاعری کی شاہراہ پر گامزن رہے، لیکن جب اُن کی زندگی مین تکلفات بڑھے، تو سچی اور فطری شاعری اُن کو پھیکی معلوم ہونے لگی، اور اس مین رنگ آمیزی اور حیرت انگیز واقعات کا اضافہ شروع ہو گیا، اور جب طبیعتین جھوٹ کی خوگر ہو گئین، تو ایوانِ شاعری کا سنگ بنیاد جھوٹ پر رکھا گیا،

(۵) محاکاۃ اور تخئیل پر تفصیلی بحث سے پہلے اخلاقی قوتون کا تذکرہ ضروری ہے،

ظاہری صورت کا حسن و جمال اعضاء کے تناسب پر موقوف ہے، اور باطنی صورت کی

خوبی اخلاقی قوتون کے اعتدال پر قائم ہے،

باطنی قوتین (۱) قوتِ شہوانی جلب منفعت کی جانب مائل کرتی ہے (۲) قوتِ غضبی دفعِ ضرر کی طرف رغبت دلاتی ہے (۳) قوتِ نطقی عقلی، ملکی، یہ صرف انسان کو عطا کی گئی ہین، اس کے دو مقصد ہین، علمی ترقی، اس اعتبار سے اس کو عقلِ نظری کہتے ہین، دوسرے جسمانی قوتون کو حدِ اعتدال پر قائم رکھکر ان سے کام لینا، اس حیثیت سے اس کو عقلِ عملی کہتے ہین،

جذبات اور عقل دونون انسان کے لئے ضروری ہین، لیکن جذبات یعنی قوتِ شہوی اور غضبی کو عقل کے تابع رہنا چاہئے، خالی عقل کی ترقی جذبات کو فنا کر دیتی ہے، اور مدنیت دانش انسان مین باقی نہین رہتا، اسی طرح اگر جذبات ہی کی پرورش ہوتی رہے تو عقلی ترقیان نیست و نابود ہو جاتی ہین، اور انسان کا شمار احمقون کے زمرہ مین ہونے لگتا ہے، اس لئے عقل و جذبات مین شیر و شکر کا سا امتزاج ضروری ہے، عقل کو حرکت دینا جذبات کا کام ہے، جذبات کو حدِ اعتدال پر قائم رکھنا عقل کا کام ہے، اخلاقی قوتون کے حسن و دلفریبی کا راز اسی مین ہے، محض عقلی ترقی کی بے اعتدالی کے نتائج بڑے عبرتناک ہوتے ہین، اس کا سب سے بڑا ثبوت موجودہ دور کی عقلی ترقیان ہین، جن سے انسانیت پامال ہو رہی ہے، ایثار و قربانی رحم و کرم سچائی و وفاداری وغیرہ انسانی ہمدردی کے جذبات فنا ہو چکے، بنی آدم اعضاے یک دیگر اند کا نظریہ نسیاً منسیاً ہو چکا، قوتِ نطقی، قوتِ شہویہ و غضبیہ کا لقمہ بن چکی ہے، یہ اس امر کا نتیجہ ہے کہ عقل جسمانی قوتون کو حدِ اعتدال پر قائم رکھنے سے قاصر ہے، انسانی ہمدردی کہین باقی نہین رہی، ہر قوم، خاندانی، قومی و وطنی عصبیت مین مبتلا ہے، اور عقلی ترقی کے باعث انسانی شرافت کی دھجیان اڑ رہی ہین، جذبات کی افراط و زیادتی کے بُرے نتائج یہ ہین کہ جس زمانہ مین یورپ مین علمِ کیمیا، طبعیات، ریاضیات، فلکیات، معدنیات وغیرہ علم و فن کے ہر شعبہ مین تلاش و تحقیق کا

سلسلہ جاری تھا، نئی نئی ایجادات ہو رہی تھین، علمی ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا، عین
اس زمانہ مین ہندوستان قوتِ شہوی کی راجدھانی تھی، بٹیر بازی، مرغ بازی، شطرنج بازی،
کبوتر بازی وغیرہ کی گرم بازاری تھی، ہر فرد عیش و طرب مین مست تھا، ہندوستان کی ساری
آبادی کا میلان فنونِ لطیفہ رقص و سرود وغیرہ کی جانب تھا، ہزل و مسخرہ اس کی زندگی کا دلچسپ
مشغلہ بن گیا تھا، عیش پرستی اُن کی سرشت مین داخل ہو گئی تھی، اُن کی عمر عزیز مفید کامون کے
بجائے لہو و لعب مین برباد ہو رہی تھی، اس کا جو کچھ نتیجہ نکلا وہ سب کو معلوم ہے،

غرض ہندوستانیون کو جذبات کے غلبہ نے تباہ کیا، اور یورپ کی تباہی عقل پرستی کے
ہاتھون ہوگی، جس کے آثار نمایان ہین،

روحِ انسانی یا نفسِ ناطقہ تمام اعضاے جسمانیہ کی حاکم مدرک و عالم ہے، اس لئے عرض
نہین، مدرک کلیات ہے، اس لئے جسم و جسمانی نہین، کیونکہ کل کی کلیت کسی جسم مین قائم
رہنے سے باقی نہین رہتی، اس کی تقسیم اس نقشہ سے ظاہر ہوگی،

روحِ انسانی

قوتِ عالمہ یا عقل — عاملہ

نظری — عملی

نظری: مثلاً اللہ تعالیٰ کو رحیم و کریم ماننا

عملی: مثلاً ظلم قابلِ ترک، عدل قابلِ اختیار ہے

عاملہ: وہ قوت ہے جس کے ذریعہ روح انسانی کا کام قوی اور اعضاے جسمانیہ پر تسلط ہوتا ہے،
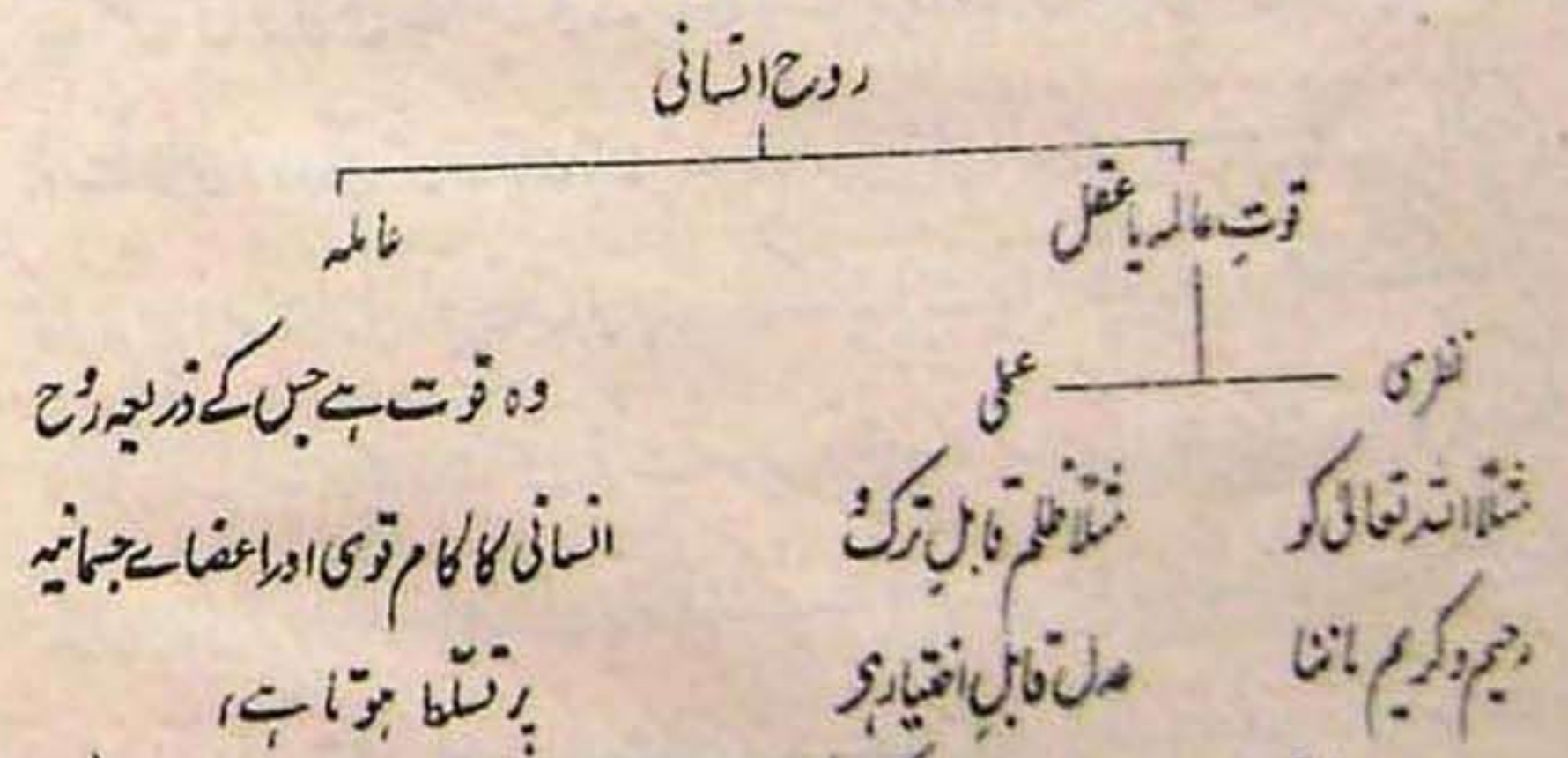
تمام امور کلیہ جزئیہ مادیہ مجردہ سب کی مدرک انسان مین روح انسانی ہے، اس بحث کو
سمجھنے کے لئے حواس خمسہ باطنی کی تشریح ضروری ہے،

حواس خمسہ باطنی (۱) حسِ مشترک، خزانہ حواس ظاہری، دماغ کا اگلا حصہ، اس کا

مرکز ہے،

(۲) خیال، خزانہ حسِ مشترک، دماغ کے اگلے حصہ کا جوفِ آخر،

(۳) واہمہ، محسوسات کے معانی جزئیہ کا ادراک، دماغ کے جوفِ اخیر کا پہلا حصہ،

(۴) حافظہ، ذاکرہ، مسترجعہ، ادراک، خزانہ قوتِ واہمہ، دماغ کے آخری حصہ کا جوف آخر،

(۵) متصرفہ، (جنس) متفکرہ، متخیلہ (نوع) اوسط دماغ،

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کسی کے قول و فعل کی بلا کمی بیشی ہو بہو نقش کشی کا نام محاکاۃ ہے، جسم
کی ہو بہو تصویر شیشہ کھینچ سکتا ہے، بشرطیکہ شیشہ شفاف اور اعلیٰ درجہ کا ہو، بہت سے شیشے ایسے
بھی ہوتے ہین کہ جس مین کثیف جسمون کا پورا نقش نہین اتر سکتا، بلکہ چھوٹا جسم بڑا، بڑا چھوٹا،
سیدھا ٹیڑھا اور ٹیڑھا سیدھا معلوم ہوتا ہے، قوتِ خیالیہ بھی ایک آئینہ ہے جس مین غیر مادی
یا لطیف اشیاء کا عکس منعکس ہوا کرتا ہے، اس لئے محاکاۃ کی تعریف کے مطابق کسی قول و
فعل کی ہو بہو صورت کشی مشکل ہی نہین، بلکہ محال ہے، اس لئے کہ جب شیشہ مین قوت ایجاد و
اختراع کا وجود نہین، اور وہ بھی ہو بہو نقش کشی سے عاجز ہے، تو قوتِ خیالیہ بدرجۂ اولیٰ
اس فریضہ کی انجام دہی سے قاصر رہے گی، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے شیشہ مین جسمِ
انسانی کی صورت کشی بلا کم و کاست ہوتی ہے، لیکن یہ صحیح نہین، اس تصویر مین بہت سی صفات
معدوم ہوتی ہین، مثلاً (۱) جسمیت (۲) حیوانیت (۳) ناطقیت، اس لئے کہ آنکھ تو موجود ہوتی
ہے، مگر بینائی سے محروم، کان موجود ہوتے ہین، مگر شنوائی معدوم، ہاتھ پیر پائے جاتے ہین، مگر
حرکت کا پتہ نہین، ناک موجود ہے، مگر قوت شامہ ندارد، زبان گو دکھائی دے، مگر گویائی اور
صفتِ چاشنی سے ناآشنا،

خلاصہ یہ ہے کہ جب جسمانیات کی ہو بہو صورت کشی دشوار ہے، تو قول و فعل کی نقش کشی تو اور بھی

محال ہے، البتہ کمی بیشی کے ساتھ ممکن ہے، اور اس کا دارومدار مصور یا شاعر کی قوتِ خیال پر ہے،
اس نے اگر اصلیت کو قائم رکھتے ہوئے، قوتِ خیالیہ سے اس مین تصرف کیا ہے، اور بقدر استطاعت
جسم یا قول و فعل کی محاکاۃ کی ہے، تو اعلیٰ درجہ کا مصور یا شاعر کہلانے کا مستحق ہے، اور اگر اصلیت کو
بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اور صرف قوتِ خیال کے زور سے ایک فرضی تصویر دلون کو لبھانے کے لئے
تیار کی ہے، تو ایسی مرقع کشی مصوری کے نگارخانہ مین تحسین و آفرین کی مستحق ہو تو ہو مگر عالم شاعری
مین اس کی داد نہین مل سکتی، اس لئے کہ دراصل وہ کسی کے قول و فعل کی نقش کشی نہین ہے، اور نہ اس کو
محاکاۃ اور اصلیت سے کوئی سروکار ہے، بلکہ وہ محض ایک خیالی طلسم ہے، جس کو ڈراما یا طلسمی نظم یا
سوانگ کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے، مگر شعر کے زمرہ مین داخل نہین کیا جا سکتا، البتہ جب قول
یا فعل کی ترجمانی اس طرح کی جائے کہ اس مین قوتِ خیالیہ کی رنگ آمیزی کے ساتھ ساتھ حقیقت
اور اصلیت کا پہلو بھی نمایان ہو، تو اس کو شعریت کا تمغہ مل سکتا ہے،

(۷) محاکاۃ مین خود قوتِ فاعلیہ موجود نہین، یہ دراصل کسی فاعل کا فعل اور کسی مؤثر
کا اثر ہے، اور وہ قوتِ گویائی یا بیان ہے، جو ہر انسان کو منجانب اللہ عطا ہوتا ہے، محاکاۃ مین
سب سے پہلے قول یا فعل کا نقشہ دماغ یا ذہن مین کھنچتا ہے، تصور شوق کا مادہ پیدا کرتا ہے، شوق
ارادہ پر تصرف کرتا ہے، ارادہ قوتِ بیان کو حرکت مین لاتا ہے، اور ان تمام قوتون کی مدد سے
محاکات کا فعل وجود مین آتا ہے، قول و فعل کا تصور دراصل قوتِ خیال مین پیدا ہوتا ہے، قوتِ
خیال ایک آئینہ خانہ ہے جس مین قول و فعل کی صورتین منعکس ہوتی رہتی ہین اور جسطرح جسم کی تصویر کشی کی
خوبی کا دارومدار آئینہ کی خوبی پر ہے ایسے ہی فعل و قول کی نقاشی کا انحصار قوتِ خیالیہ کی
قوت پر ہے، شاعر کی قوتِ خیال مین اسی قدر رفعت اور بلند پروازی ہوگی جس قدر شاعر
ذکی الحس ہوگا، جس طرح حواس خمسہ کا خزانہ حسِ مشترک ہے، اسی طرح خیال حسِ مشترک

کا خزانہ ہے، اور مشاہدات اور ادراکات کا سارا ذخیرہ قوتِ خیال مین موجود رہتا ہے، قوتِ
بیان اس سرمایہ کو عقل کی مدد سے ...... ایک ہی ترتیب و رنگ سے جلوہ گر کرتی ہے، قوتِ خیال
کے دو فرائض ہین،

(۱) وہ تمام انسانی ادراکات کی خزانچی ہے،

(۲) قول و فعل کی تصویر کشی کے بعد اس کو قوت متصرفہ یا مفکرہ کی مدد سے حسن ترتیب کیساتھ
قوتِ گویائی کے سپرد کر دیتی ہے، اور وہ اس مین لحن و موسیقی کا اضافہ کرکے سامعین کے کانون
تک پہنچاتی ہے،

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ آنکھون نے جس طرح کسی فعل کو ہوتے ہوئے دیکھا، کان نے
قول کو جس طرح سنا، زبان کو جو ذائقہ ملا، ہاتھون اور ناک کو جو لطف و اذیت حاصل ہوئی،
حواس خمسہ کے ذریعہ یہ احساس حسِ مشترک کے خزانہ مین داخل ہو گیا، اور حسِ مشترک نے یہ
سارا ذخیرہ صورت کشی کے لئے خیال کے کیمرہ کے حوالہ کر دیا، قوتِ خیال اسی سرمایہ کو قوتِ
مفکرہ کی مدد سے الفاظ کی سلک گہر مین پرو کر قوتِ بیان یا گویائی کے حوالہ کر دیتی ہے، وہ
اس پر لہجہ و لحن کا غازہ و گلگونہ ملکر سامعین کے سامنے پیش کر دیتی ہے، گویا حواس خمسہ گلچین
یا عطا کنندہ گل ہین، حس مشترک خزانچی گل، قوتِ متفکرہ اس کی امین یا مالن ہے، اور قوتِ
بیان اس سہرے کو عطر آگین کرکے حاضرین کے حلقۂ گوش مین ڈالتی ہے، اس سلسلہ مین اس امر
کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جیسے انسان کی عمر چار حصون طفلی، شباب، کہولت اور پیری
مین تقسیم ہے، ویسے ہی عقل انسانی کے چار درجے ہین، عقل ہیولائی، عقل بالملکۃ، عقل مستفاد اور
عقل بالفعل، اول الذکر قابلِ التفات نہین، صرف آخری دو کام کے ہین،

۸- محاکاۃ اور تخئیل کی مفصل بحث کے بعد اس کی مزید توضیح ان الفاظ مین کیجا سکتی ہے کہ

فرض کیجئے، زید کے اعلیٰ جود و کرم کو دیکھ کر کسی خاقانی زمن کے دل مین جذبۂ تحسین و آفرین پیدا ہوتا ہے، تو اس کے جود و کرم کا جو تصور اس کے دماغ مین موجود ہے، اگر وہ اس کو اپنی قوتِ متفکرہ کی مدد سے قوتِ بیان و تحریر یا محاکاۃ کے ذریعہ عمدہ عبارت مین صفحۂ قرطاس پر کھینچ دے، تو وہ اعلیٰ درجہ کے قصیدہ سے نامزد ہوگا،

مثلاً خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر

ساقیا یان لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

خواجہ صاحب اپنے پیر و مرشد کے حلقہ مین بیٹھے ہوئے ہین، ان کی توجہ سے خواجہ صاحب کا دل ذکرِ الٰہی مین مصروف ہو جاتا ہے، اور اس سے ایک وجدانی کیفیت ان پر طاری رہتی ہے، جو اس قدر سرور انگیز ہے کہ اس سے علٰحدگی اور دوری خواجہ صاحب کے لئے ممکن نہین، ایسی صورت مین اپنے مرشد سے خطاب کرتے ہین کہ اجل کا کوئی وقت معین نہین، ممکن ہے، ابھی آجائے، یا آپ کی توجہ کسی دوسری جانب مائل ہو جائے، اس لئے التماس ہے کہ تا دمِ مرگ آپ کی توجہ مجھ پر ایسی ہوتی رہے کہ مین ذکرِ الٰہی سے لطف اندوز ہوتا رہون، یہ نقشہ خواجہ صاحب کے دل مین کھچا، اور اسکی وہ ترجمانی کرنا چاہتے ہین، جس کو میری قوتِ خیالیہ نے کئی سطرون مین پھیلا کر بیان کیا ہے، لیکن چونکہ قوتِ متفکرہ کا اعلیٰ رنگ اس مین موجود نہین ہے، اس لئے اختصار نہین، جدتِ ادا نہین، قوتِ بیان کی افسون گری نہین، سادگی نہین، وزن نہین، قافیہ نہین، جوش نہین، اس لئے اس کو شعر کا لقب نہین دیا جا سکتا، لیکن اسی خیال کو جب ان الفاظ مین،

ساقیا یان لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

ادا کیا جاتا ہے، تو شعر بن جاتا ہے، دیکھئے اس شعر مین کئی سطرون کا مفہوم صرف نصف سطر مین ادا کیا گیا ہے، اور اس عمدگی اور خوبی کے ساتھ کہ اس سے روح لذت گیر ہوتی ہے، اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو، خواجہ صاحب کی قوتِ متفکرہ نے پیر کے بجائے ساقی کا لفظ اختیار کیا ہے، جس سے مفہوم مین بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے، اور عام میخوار بھی اس کو پڑھ کر اور سُن کر لطف اندوز ہو سکتے ہین "لگ رہا ہے چل چلاؤ" سے وہ یہ مراد لین گے کہ محفلِ رندان کے اختتام کا وقت قریب ہے، بزم درہم برہم ہونے والی ہے، اس لئے جو وقت بھی باقی ہے، اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور خواجہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ کوچ کا وقت قریب ہے، ایسے وقت مین اور بھی مرشد کی توجہ کی ضرورت ہے، اور بیان کی اس سادگی مین تاثیر کی یہ فسون گری قوتِ متفکرہ کی بدولت ہے، جس نے شاعر کی زبان سے اس جذبہ کی پوری تصویر کھینچدی ہے، محاکاۃ کی حد وہین تک ہے، جہان تک نقل مین اصل کی مطابقت کا سوال ہے، چل چلاؤ، بس چل سکے، ساغر چلے، ساقی اور ساغر کے الفاظ کا انتخاب اور اس کی خاص ترتیب وغیرہ متفکرہ سے متعلق ہے، لیکن اگر خواجہ صاحب کے ذہن مین ذکرِ الٰہی اور اس سے لطف اندوزی کا کوئی تصور نہین تھا، تو اس شعر کا مفہوم صرف یہ ہوگا کہ کوئی میخوار عالمِ مستی مین ساقی سے کہہ رہا ہے کہ جب تک مجھ مین شراب نوشی کی سکت باقی رہے، پلاتا چلا جا، کیونکہ بادہ کشی کا زمانہ ختم ہونے کو ہے، معلوم نہین پھر بادہ نوشی کی نوبت کب آئے، اس صورت مین خواجہ صاحب کی اس مرقعِ کشی کا شمار شعر کی فہرست مین ہوگا، اور اس کی بنیاد متفکرہ یا محاکاۃ کے بجائے متخیلہ قرار پائے گی، اس لئے کہ خواجہ صاحب کے دماغ مین بادہ کشی کا کوئی نقش موجود نہین بلکہ وہ دوسرون کے خیال کی نقل کر رہے ہین، جب یہ مسلم ہے کہ یہ سب کارنامے قوتِ متخیلہ کے ہین تو محاکاۃ کے بجائے متفکرہ اس کی علت کیون نہین قرار دیجاتی، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کے قول و فعل کی ہو بہو نقش کشی کا نام محاکاۃ ہے اور

یہاں بھی نقش و تصور نہ تو خواجہ صاحب کے دماغ میں تھا، نہ کسی اور کے دماغ میں اور جب تصور و احساس نہ ہو تو شوق کا پایا جانا محال ہے، اور بغیر شوق کے ارادہ کا وجود نہیں ہو سکتا، لیکن اگر ارادہ نہ تھا، تو پھر شعر کیسے کہا گیا، کیونکہ بلا ارادہ کسی فعل کا صدور ممکن نہیں، جو فعل بلا ارادہ ہو وہ طبعی کہلاتا ہے، اور طبعی فعل یا وہ فعل جو بلا ارادہ صادر ہو شعر کی تعریف سے خارج ہے، نتیجہ نکلا کہ ارادہ بلا شوق و تصور کے بھی ممکن ہے،

فعل کی دو قسمیں ہیں (۱) اختیاری (۲) اضطراری یا جبری فعل بالارادہ کو اختیاری اور غیر ارادی کو اضطراری یا جبری کہتے ہیں،

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس شعر کے مادی تصور کی صورت میں خواجہ صاحب نے اس کے کہنے کا ارادہ ضرور کیا، لیکن دوسرے کی طرب انگیزی کے لئے یا جبری طور پر اس لئے کہ اس میں شاعری کے عناصر یعنی تصور اور شوق موجود نہیں تھے، صرف ارادہ و تخیلہ نے اس کو خلعت وجود عنایت کیا، اور وہ بھی حقیقی و اصلی نہیں، بلکہ نقلی و مصنوعی، اس طرح متخیلہ کی مصوری سے یہ نقش طیار ہوا ہوگا، اس صورت میں رنج غائب ہو جاتا ہے جب اصلیت اور روح کا پتہ نہ ہو تو شعر کی بنیاد محاکاة یا نری قوت متخیلہ پر ہوگی، اگر متخیلہ کا ایوان صرف کذب کی نقش آرائی سے تیار ہوتا ہے جس کی اثر انگیزی صرف زبان تک محدود رہتی ہے، دل تک اس کی رسائی نہیں ہوتی، مگر اس شعر کی افسوں گری جدت ادا اور تاثیر بے اختیار دل کو کھینچتی ہے، اس لئے اس شعر کی بنیاد محض متخیلہ یا دوسرے الفاظ میں کذب پر نہیں ہو سکتی کہ جھوٹ میں تاثیر نہیں پیدا ہو سکتی،

قوت متخیلہ یا واہمہ کی مثال گھوڑے کی تعریف میں انشاء کا یہ شعر ہے،

ہے اس آفت کا یک سیر کہ راکب اس کا
حاضری کھائے جو کلکتہ تو لندن میں ٹفن

اس میں حاضری و ٹفن کلکتہ، لندن وغیرہ کے نقش تو انشا کی قوت حافظہ و خیال میں محفوظ تھے، لیکن ایسا کوئی نقش ان کے خزانۂ خیال میں نہیں تھا کہ کوئی گھوڑا ۵۰ گھنٹہ میں ۵۰۰۰ ہزار میل کی مسافت طے کرتا ہو، انشا کی قوت واہمہ کی طلسم سازی نے ایک ایسا گھوڑا طیار کیا ہے، جس کو حقیقت و اصلیت سے کوئی تعلق نہیں، اس میں محاکاة و خیال کی ترکیب نہیں، بلکہ تفریق و جدائی اور محض واہمہ کی کارفرمائی ہے، اور اس قسم کے اشعار سے وہی طبیعتیں لطف اٹھا سکتی ہیں، جو تخیلہ اور واہمہ کے سحر میں گرفتار ہیں، (باقی)

شعر العجم حصہ اول

فارسی شاعری کی تاریخ جس میں شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیوں اور ان کے خصوصیات اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے. قیمت: عہ

شعر العجم حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ ابن یمین تک مع تنقید کلام)

قیمت: عہ،

شعر العجم حصہ چہارم

اس حصہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے، کہ ایران کی آب و ہوا اور تمدن اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع و اقسام میں سے مثنوی پر تبصرہ، قیمت عہ،

"منیجر"

کتاب النبات دینوری

از

جناب محمد حمید اللہ صاحب، پیرس

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف دسمبر ۴۹ء)

کچھ عرصہ ہوا معارف مین اس موضوع پر چند باتین عرض کی گئی تھین، اور مدینہ منورہ کے ایک مخطوطے کا ذکر کیا گیا تھا، جو دینوری کی کتاب النبات کے تین بابون پر مشتمل ہے، آج ایک مزید ٹکڑے کی دستیابی کی خوشخبری دینی ہے،

بمبئی کے مرحوم دو لسانی رسالہ العروۃ کے شمارۂ دوم مین ترمذی صاحب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، معلوم نہین اُن کے معلومات کا ماخذ کیا تھا، لیکن وہ زائد چیز نہین، بلکہ مدینہ منورہ کے مذکورۂ صدر مخطوطے ہی سے متعلق ہے، مین نے سنہ کے آغاز مین اس کی نقل لی تھی، ترمذی صاحب اور انکے ممدوح کو نہ معلوم اس کا پتہ کب چلا، البتہ ترمذی صاحب کی یہ اطلاع اردو دان طبقہ کے لئے شائع کرنی ہے کہ مصر کے ممتاز عالم نباتات ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے دینوری کے اقتباسات مختلف کتب لغت وغیرہ سے اکٹھا کئے ہین، اور ان کو شائع کرنا چاہتے ہین، اگر وہ شائع ہوگئے تو انھی کو اولیت حاصل ہوگی، باقی اکٹھا کرنے کی حد تک اس سے پہلے بھی متعدد اصحاب نے یہ کوشش کی، اس مقالہ کے پہلے نمبر مین زلبر برگ کا ذکر ہے، جس نے اب سے کوئی چالیس اکتالیس برس پہلے کوشش کی تھی، راقم الحروف نے بھی کئی سو صفحون مین ایسا ہی مواد جمع کیا ہے، لیکن نا تمام ہونے کے باعث

اشاعت کی جانب توجہ نہین کیجا سکی، اس کے لئے ہزارون مطبوعہ اوراق کی دیدہ ریزی سے چھان بین کرنے کے علاوہ مخطوطات سے بھی مواد لینا ہے، جن مین سے بعض نہایت نادر ہین، مثلاً ابن سمجون کی جامع الادویۃ المفردۃ یا ابن سیدۃ کی المحکم وغیرہ،

مجھے آکسفرڈ مین چند ماہ ہوئے اپنے ایک سابق جرمن استاذ کی زبانی معلوم ہوا کہ استانبول مین ایک کامل نسخے کا پتہ چلا ہے، اس کے متعلق جرمن انجمن مستشرقین شاخ استانبول کے ناظم ڈاکٹر ہلموت رٹر سے معلومات حاصل ہوسکتے تھے، لیکن وہ اب استانبول چھوڑ کر وطن کی خدمت کے جذبہ سے فرانکفورت کنار ماین کی جامعہ مین شعبۂ مشرقیات کے صدر بن کر چلے گئے ہین، انھین وہین خط لکھا، کچھ عرصہ کے بعد جواب ملا کہ افواہ صحیح ہے، لیکن مخطوطہ کامل نہین، بلکہ اصل کا ایک ٹکڑا ہے، اور اس پر سویڈن کے ایک مستشرق کام کر رہے ہین،

پھر آخر الذکر کو خط لکھا، آج کی صحبت مین ماخذ اطلاعات انہی کا خط ہے، ڈاکٹر برنارٹ لیوین جامعۂ اپسالا کے کتب خانہ مین کسی عہدے پر مامور ہین، اور آج کل ابن المعتز کے کلام کی اشاعت مین مصروف ہین، وہ ۲۰ رفروری ۱۹۵۰ء کے خط مین لکھتے ہین:

"یہ واقعی ایک حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اس قیمتی کتاب (کتاب النبات للدینوری) کے مختلف ٹکڑے تقریباً ایک ہی وقت مین دستیاب ہوئے، اور اہلِ علم کے ہاتھون مین پہنچے ہین، جن مین ایک آپ مین، اور ایک اس دور دراز سویڈن مین"؛

ڈاکٹر لیوین نے ازراہ عنایت اپنے نسخے کے چند اوراق کا فوٹو بھی خط مین منسلک کیا ہے، اب تجویز یہ ہے کہ نئے ٹکڑے پر دونون کام کرین، اور دونون ٹکڑے ایک ساتھ شائع ہون، اگر کوئی خلافِ توقع حادثہ نہ بھی پیش آئے، تو بھی اس کام مین کچھ عرصہ لگے گا، اس لئے اہلِ علم کی آگاہی کے لئے فی الحال چند معلومات عرض کئے جاتے ہین،

یہ مخطوطہ ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہے، جس میں (۲۳۴) ورق یا (۴۶۸) صفحات ہیں، خط نہایت نفیس ہے، ابواب لگادجی ہے، جن چند صفحوں کا فوٹو آیا ہے، اس میں کہیں تاریخ نہیں ہے، لیکن اندازاً سات آٹھ سو برس پہلے کا نسخہ معلوم ہوتا ہے،

یہ ٹکڑا کتاب کے جزو خاص پر مشتمل ہے، ابتدائی پندرہ ورق غائب بیان کئے جاتے ہیں، ورق ۱۶ سے جو متن شروع ہوتا ہے، وہ ڈاکٹر لیوین کے الفاظ میں یوں ہے،

ورق ۱۶ تا ۲۶ ب	ومن النحاء صنعة القسی	(کمان سازی کی قسمیں)
۲۷ ب تا ۳۵ ب	من صفات النبل	(تیروں کی صفتیں)
۳۶ تا ۳۸ ب	ما فی القدح	(تیروں کا لکڑی کا حصہ)
۳۹ ب تا ۵۰	ما یحمل علی القدح	(تیروں میں لکڑی کے حصہ پر چڑھائی جانے والی چیز)
۵۰ تا ۶۱	من اسماء السّہام	(تیروں کے لئے عربی مترادفات)

اس کے بعد مخطوطے میں ایک اچنبھا ہے، ڈاکٹر لیوین کے الفاظ میں،

"ورق ۶۱ تا ۲۳۴ میں نباتی نام حروف تہجی پر مرتب ہیں، اور الف سے ز تک یہی ترتیب ہے، اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب النبات دو بڑے حصوں پر مشتمل رہی ہے، پہلے حصہ میں مستقل مقالے تھے، جو ایک خاص نظام کے تحت مرتب کئے گئے تھے، اور دوسرے حصہ میں ایک قاموس تھی"،

اس تفصیل سے متعدد اہم مسائل حل ہوتے ہیں، اگرچہ اُپسالا کا نسخہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہے، لیکن خوش قسمتی سے یہ وہ ٹکڑا ہے، جہاں کتاب کی ایک اہم خصوصیت یعنی اس کی تقسیم نمایاں ہو، اسی طرح اب یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابن سمجون، الغافقی اور ابن البیطار کی جڑی بوٹیوں میں

حروف تہجی کی ترتیب اُن کی جدت نہ تھی، بلکہ دینوری ہی کی نقالی اور خوشہ چینی تھی، میں اپنے مقالے کی پہلی قسط میں عرض کر چکا ہوں کہ ابن سمجون اور ابن البیطار وغیرہ نباتات پر اپنے پیشرو کے بیانات جمع تو کرتے ہیں لیکن آغاز عموماً دینوری کے بیان سے کرتے ہیں، اور ابن البیطار کے ہاں بعض وقت یہ فقرہ ملتا ہے، "قال الغافقی قال ابوحنیفة الدینوری" اس کی توجیہ یہ کرنی پڑتی ہے کہ ابن بیطار نے دینوری کے اس بیان کو جو حروف تہجی کی ترتیب پر نہیں بلکہ مستقل مقالات کی صورت میں ہے، جس کی تلاش آسان نہیں ہے، کبھی اپنی یادداشت کی مدد سے اور کبھی غافقی کے آسان ذریعہ سے کتاب المفردات میں نقل کیا ہوگا، کتاب النبات کا نو دستیاب شدہ ٹکڑا اگر پوری طرح سامنے آجائے خاص کر اس کا حصۂ دوم اور اس کا ابن البیطار وغیرہ سے مقابلہ کیا جائے، تو اس پہلو پر زیادہ بہتر رائے قائم کی جا سکے گی،

میں نے مقالۂ گذشتہ میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ کتاب النبات للدینوری کے کون کون سے اقتباس مخصص ابن سیدہ کی کس کس جلد میں ہیں، ڈاکٹر لیوین کے بیان کی روشنی میں مخصص کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ متعلقہ ابواب اس کی چھٹی جلد میں ہیں، چنانچہ ص ۳۹ پر بعینہ ہمارے عنوان کا باب "من النحاء صنعة القسی" ہے، دوسرا، تیسرا اور چوتھا باب تو مخطوطۂ اُپسالا کے الفاظ میں نہیں ہے لیکن باب السہام متعدد فصلوں کے ساتھ موجود ہے، ہمارا پانچواں باب "من اسماء السّہام" مکمل کر دی ہے، جس کو ابن سیدہ نے ص ۱۵ پر "اسماء ضروب السّہام وصفاتہا" کے عنوان سے لکھا ہے،

ہمارے سامنے مخطوطۂ اُپسالا کے پہلے باب کا پہلا ورق ہے، ابن سیدہ کے ص ۳۹ سے اس کا مقابلہ کرنے پر نظر آیا کہ مخطوطۂ مدینۂ منورہ کی طرح، اس حصہ میں بھی ابن سیدہ نے بہت ہی کم حصہ نقل کیا ہے، اور دینوری کے بے شمار بیانات حذف کر دیئے ہیں، جو اس لئے ناگزیر تھا کہ ابن سیدہ کا موضوع و مقصد جدا تھا،

بہرحال اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ مخطوطے اور نئے مخطوطے کا کوئی حصہ مشترک نہیں ہے اور دونوں مل کر کتاب کے معتد بہ حصہ پر مشتمل ہوجاتے ہیں، بعض پرانے مولفوں نے کتاب النبات للدینوری کے ذکر میں لکھا ہے، کہ وہ "ست مجلدات کبار" میں تھی، ڈاکٹر لیون کے بیان کے مطابق ان کا مخطوطہ الجزء الخامس پر مشتمل ہے، اگرچہ جزء اور مجلد ایک ہی چیز نہیں ہیں، لیکن موجودہ دونوں مخطوطے مل کر ڈیڑھ جلد نہیں تو ڈیڑھ جزء ضرور بن جاتے ہیں، گو یہ معلوم نہیں کہ اصل میں کتنے جزء تھے: پانچ تھے، یا کم، یا زیادہ،

نوائے حیات

(طبع دوم)

جناب یحیٰی اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہیں، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن میں بہت سی نئی غزلوں اور نظموں کا اضافہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے، اس کے شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ ہے،

ضخامت :- ۲۱۴ صفحے، قیمت :- مجلد للعہ، غیر مجلد ہے،

ابن خلدون

مصر کی یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے فرنچ رسالہ کے عربی ترجمے کا ترجمہ جس میں ابن خلدون کے سوانح زندگی اور اس کے فلسفۂ اجتماعی کی تشریح و تنقید ہے،

ضخامت ۱۵۵ صفحے، قیمت عمر

"منیجر"

ملفوظات حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ

از

جناب غلام مصطفٰے خان صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، لکچرار اسلامیہ کالج، کراچی

حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمۃ المتوفی ۹۹۸ھ کے ملفوظات بحر الحقائق کے متعلق حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی "تاریخ زبان اردو" (طبع لکھنؤ ۱۹۳۰ء ص ۲۴-۲۵) اور مولوی عبد الحق صاحب کی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" (ص ۲۵-۲۶) سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے مریدوں نے وہ مجموعہ سوال و جواب کے طرز میں مرتب کیا تھا، سوالات فارسی میں ہیں، اور حضرت موصوف کے جوابات ہندی (اردو) میں، مجھے جناب مولانا راشد برہان پوری کے یہاں ایک مختصر مخطوطہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، جو مذکورۂ بالا ملفوظات "بحر الحقائق" کے علاوہ ہے، اس میں ۴۴ صفحات ہیں، اور آخر میں یہ عبارت ہے:-

"تمت ھذا الملفوظ شاہ وجیہ الحق والدین الخلیفۃ الکامل المکمل للشیخ محمد غوث قدس اللہ سرھما وافاض علینا فیضھما آمین آمین آمین، (کاتب الحروف محمد اسحٰق ولد مرزا محمد)"

یہ کاتب مخطوطہ یعنی محمد اسحٰق اسی ملفوظہ کے مُرتب (محمد) کا بیٹا معلوم ہوتا ہے، مرتب نے ص نمبر ۲ میں اپنا نام اس طرح دیا ہے،

"یقول العبد الفقیر الحقیر محمد .... چون کسے را دیدم کہ اکثر اوقات بتلاوت می گذارد فرمودند کہ تلاوتش کہ نمی کند، جواشتغل نمی کند؟ دیگر کسے را فرمودند کہ

می آرد، چرا شغل نمی کند"

اس عبارت کے علاوہ جگہ جگہ شطاریہ طریقے کے ذکر و شغل کی تاکید ملتی ہے، منتخب التواریخ، اور سبحۃ المرجان وغیرہ کے حوالے حکیم شمس اللہ قادری اور مولوی عبدالحی صاحب کی کتابوں میں ہیں، لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبار الاخیار میں کچھ ذاتی تعلقات اور استفادات کا حال بھی ہے، فرماتے ہیں،

"وفات او در سنہ سبع وتسعین وتسعمائۃ در صحن خانقاہ خود (احمد آباد) آسودہ است، محرر سطور در وقتے کہ بقصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بدان دیار رسید، بہ ملاقات وے مستسعد شد، وبعضے از اذکار و اشغال سلسلۂ عالیۂ قادریہ مشرف گردید، اکنون جانشین او خلف صدق اوست شیخ عبداللہ موصوف است بعلم و حلم و ریاضت و عزلت و ہمت و عفت و سائر اخلاق درویشان"، (اخبار الاخیار ص ۲۵۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت وجیہ الدین اپنے شیخ حضرت محمد غوث گوالیری (المتوفی ۹۷۰ھ) کی طرح قادریہ اذکار کی طرف بھی مائل کرتے تھے،

ورد محمد کے اس مخطوطے میں سوال وجواب تو نہیں ہیں، لیکن جو ملفوظات ہیں، ان میں جا بجا ہندی (اردو) کے فقرے ملتے ہیں، اردوے قدیم کے شائقین کے لئے ایسے بعض مقامات ملفوظ کی قدیم کتابت میں پیش کئے جاتے ہیں:-

(۱) می فرمودند۔ نزد ما شریعت وحقیقت است، طریقت نیست یعنی تکمیل بطریقت، گفتم چنانچہ آنحضرت عہد ترک بخانہ و نیاداران کردہ اند، فقیر ہم کند، فرمودند چرا؟ آیا دنیاداران بیگانہ اند، دنیاداران اپنے شیخ ہیں (ہم ہی ہیں)

(۲) می فرمودند۔ حضرت خضر و فقیر از مجلس درس جدا شدہ سخنان می کردیم، پرسیدہ شد، افادہ بود یا استفادہ؟ فرمودند ہمیں رسول کی لوک یعنی مَن کَانَ معموراً بفیض الرسول لا یحتاج الی استفادۃ من غیرہ،

(۳) می فرمودند، دست خضر محکم گرفتہ گفتم کہ حال گجرات (در قحط) چنین شدہ است، بسامان کے خواہد بود، بگوئید، گفتند آنچہ خداے تعالیٰ اخفا کردہ است، ظاہر کیجی، نظاہر کیجی، دست زور خلاص کنانیدہ بعدہ در مجلس درس حاضر نہ شدند،

(۴) گفتم بارہا میل شود کہ این قفص تن بشکنند، فرمودند، چرا بشکنند؟ خاصا پنجرا ہی،

(۵) سألت عن تفضيل الولی علی النبی، فرمودند، کہری نادان، کہری نادان، (کہو ے سکے)

(۶) می فرمودند، رات دن خدا جیو کی مدح کرے، (انبیا کی تعریف وتفضیل کے سلسلے میں فرمایا تھا)

(۷) میان شیخ صالح (مرید) خواستند کہ کسب کتابت کنند، فرمودند ما شطاریم، ما را کسب چہ مناسب؟ از ہر جا کہ بگیریم بخوریم، و در توحید مستغرق باشیم، بعضے زاہدانہ چرا مقید شویم، اگر قوتے نہ باشد، حیلہ کنید، یعنی از بقال استقراض کنید، پرسیدم کہ اشیا را اگر مظاہر تصور کنیم، چونست؟ فرمودند:- نہ یون تو ذوق نہووے،

(۸) می فرمودند۔ فیض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشاہ مردان علیؓ رسیدہ و از ایشان بحضرت شیخ محمد غوث (گوالیری) قدس سرہ، و از ایشان بمن رسیدہ و..... فرمودند، فلان درویش گفتہ کہ بایزیدؒ در میان اولیا چنانست کہ در میان انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، از مخلف الحرمت سوال کردم، فرمودند، اتقیا، و علما، سلاطین را بر عمل آن فتوی دادہ اند، باز فرمودند، آنچہ روایت در فقہ باید چرا نہ کند، بہو نداج ہو وی، سونہ کری، (بہو نداجو ہووے سونہ کرے)، یعنی متفق الحرمت نباشد

کمر آ فرمودند، کہ ہر چیزے کہ متیج ذوق وشوق باشد صوفی آن را ترک نکند، بملاحظہ اختلاف، بہو مراج ہوے سو ترک کرے

(۵) ...... گفتم کسے را کہ کشف خود نمی شود، در اعمال چون اختیار کند، فرمودند استخارہ مسنون منقول کند دیس گو کشف نباشد، انہون کون کیا فائدہ؟

(۱۰) می فرمودند کسے کہ منکر توحید و وحدت وجود باشد، اور ا تصور نقش اللہ و شغل طاقچہ باید فرمود، چون عمل کند، آ یہین جھکہ مار کر قبول کرے گا،

(۱۱) فرمودند کہ از مغلان بیا موزید کہ اسپ را ای خورانند دمی دوانند، دعوت سہ اربعین شما را کافی است، تمہاری بلا ریاضت کرے،

(۱۲) می فرمودند کہ سلوک شطاری از جمہ سلوک اسہل و از ہمہ انفع، بارہا مردم را وصیت می کردند بتاکید کہ یک گہری یا دو گہری یا چار گہری (گھڑی) در حضور ہر شغل می بودہ باشید،

(۱۳) کسے گفت کہ میان شیخ محمد فضل اللہ (برہان پوری) ترک درس کردند، فرمودند جب ترقی پکڑیگی، آ یہیں درس کہین گی،

(۱۴) می فرمودند شیخ محی الدین ابن عربی را در امر فرعون مجتہد مخطی گفتند (کہ فرعون را مومن گفتہ بود) فرمودند شیخ عربی فرشتہ بود، مثل او نتقی، برزمین پیدا شدن عجب است، اما شیخ عربی کا تقوی کہان میرا مکان کہان (صاحب ملفوظات نے یہان یہ مفہوم لکھا ہے، کہ مرتبہ ما از ایشان زیادہ است)

(۱۵) می فرمودند خلفاے حضرت شاہ عالم (گجراتی - المتوفی سنہ ۸۸۰ھ) گفتند کہ اگر خدمت کنید فائدہ خواہد شد، میری تا بین کی خدمت کی جاتی ہے، (خدمت کے دل تمی تو انم کرد)

(۱۶) می فرمودند، سب چھوڑ بیٹھی تو شتاب فائدہ ہو جاشے

(۱۷) می فرمودند، وہ کیا ہو ئی جو احمد آباد کے بازار مین ...... برہنہ اللہ اللہ گویان بگردد،

(۱۸) می فرمودند، میان صبغۃ اللہ (یکے از اولیاے گجرات) جھوڑ دیتی (چھوڑ دے) یعنی مسودہ تحشیہ شرح مُلّا (کہ شیخ وجیہ الدین نوشتہ بودند) نوا دیتی میرا جیو کچی،

(۱۹) کسے از بندہ قرض می خواست یک ہون، یا دو ہون، حضرت میان عبد اللہ (پسر شیخ وجیہ الدینؒ) مائل بر آن بودند کہ بتاب بہ ہند، فرمودند، تمہی ایمان رہتی ہو یعنی با اہل محلہ خود بے مروتی نباید کرد، و در آغاز صحبت، چون زیادہ ادب از بندہ دیدند فرمودند کسے کہ تعظیم من نکند من ہم تعظیم نکنم، عزیزے شاید حضرت عطا محمد در وقت موت آنحضرت را طلب می کردند، فرمودند، ہون مردن تو بھی کوئی نہ آ دو، از تواضع مفرط و تکبر خالی بودند،

(۲۰) و بندہ را فرمودند میان صالح را پرسید کہ شما شراب می خورید گفتند آری، فرمودند ولیون کیان صفات ہوتیان ہین،

(۲۱) شکوہ کردم کم عقلی خود را، فقال منجہ تھی اُذکی عقل ھی (مجھ سے زیادہ عقل ہے)

(۲۲) .... قبول استدعاے نمانی سوال کردم وگفتم کہ تفرقہ می دہد فرمودند فقیر پر فرض تو نہین ......

اس مخطوطہ مین صرف مذکورہ بالا (خط کشیدہ) فقرے ملتے ہین، ان کے علاوہ بہت سے صوفیانہ مسائل کا تذکرہ ہے، ردّ و سلب توجہ و استمداد، ذکر و شغل وغیرہ کے متعلق کیفیات اور واقعات ملتے ہین، حضرت شیخ کی اہلیہ بی بی نازوؒ کے استغراق کا حال لکھا ہے کہ اُن کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا لیکن اُنھین غم کا احساس بھی نہ ہوا، بعض متوسلین میان ابو جی، شیخ عبد الحکیم اور شیخ عبد القیوم وغیرہ کا ذکر بھی آیا ہے، ایک صاحبزادے غوث اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ بادشاہ اکبر ان کو اپنے دربار مین بُلا رہا تھا لیکن بے نیاز باپ نے جانے کی اجازت نہین دی، اُسی زمانہ کے سید محمد جونپوری المتوفی سنہ ۹۱۰ھ کے فرقہ مہدویہ کے متعلق ہے:-

"می فرمودند کہ مردم مہدویہ عجب جاہلانند کہ اعتقاد ایشان آن کہ ہر کہ بگرسنگی میرد ہمان بزرگ می فرمودند کہ بدتر از روافض اند، می فرمودند کہ بعضے آشنایان کہ میل بتقید مہدویہ داشتند دبر ہمان عقیدہ مردند، توجہ کردم تا بر احوال ایشان مطلع شوم احوال ایشان را بغایت بد دیدم"

یہان الفاظ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر ہم صوفیہ کرام کے ملفوظات کا بغور مطالعہ کرین تو اُن کے ذاتی رجحانات کے علاوہ اُن کے عہد کے بہت سے تاریخی واقعات اور حالات کے متعلق بھی اشارات مل سکتے ہین۔

سلسلہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی ہے، مسلمانون کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہین، اور ساتوان زیر تالیف ہے،

قیمت بڑی تقطیع	قسم اول	قسم دوم	قیمت چھوٹی تقطیع	قسم اول	قسم دوم
حصہ اول	.		حصہ اول	سے	
حصہ دوم	ہے		حصہ دوم	ے	
حصہ سوم	ے	صہ	حصہ سوم	لعہ	
حصہ چہارم	لعہ	معہ	حصہ چہارم	سے	
حصہ پنجم	ے	صہ	حصہ پنجم	صہ	
حصہ ششم	ے	صہ	حصہ ششم	لعہ	معہ

منیجر

تلخیص وتبصرے

حصول مسرت کا طریقہ

ایک ماہر نفسیات (Andre Maurios) نے ایک مقالہ مین یہ بتانے کی کوشش کی ہے، کہ انسان کس طرح خوش رہ سکتا ہے، وہ لکھتا ہے۔

زندگی مین مسرتین خارجی حالات سے حاصل نہین ہوتی ہین، بلکہ ان کا انحصار قوت ارادی پر ہے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مصیبت وعلالت، ظلم وستم اور ملک مین جنگ وجدال کی حالت مین مسرتون کا حاصل ہونا ناممکن ہے، لیکن زیادہ تر رنج والم خیالی ہوتے ہین حقیقی نہین، ایک مشہور ڈاکٹر نے تجربون کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس کے یہان جتنے مریض آتے ہین، ان مین ہر دس مین سے آٹھ کو مطلق کوئی شکایت نہین ہوتی، ان کو کسی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کو مرض لاحق ہو گیا ہے، خیالی مرض سے اتنی ہی تکلیف پہنچتی ہے جتنی اصلی مرض سے ہوتی ہے، بلکہ بعض اوقات خیالی مرض زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے، بہت سے ایسے آدمی ہین جنھین راتون کو نیند محض اس لئے نہین آتی کہ وہ آیندہ واقعات کے تاریک پہلو سے خوفزدہ رہتے ہین، کبھی وہ یہ سوچتے ہین کہ اگر بازار کی حالت خراب رہی تو اُن کی ساری تجارت بگڑ جائے گی، کبھی اُن کو یہ خیال آتا ہے کہ سکہ کی قیمت کی کمی کی وجہ سے ممکن ہے، کہ ایک نئی عالمگیر جنگ شروع ہو جائے، کبھی اس تصور سے پریشان خاطر رہتے ہین کہ ان کا معاشقہ ناکام نہ ہو جائے، اسی طرح وہ اور بہت سے خیالی خطرات سے خواہ مخواہ رنج والم مول لیتے ہین لیکن آیندہ واقعات کو سوچ سوچ کر رنجیدہ ہونا عقلمندون کا

کام نہیں،

حقیقی مصیبت بھی مسرت مین تبدیل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ صحیح معنون مین قوتِ ارادی موجود ہو، اگر کوئی علیل ہے تو وہ اس علالت کا بھی بہترین مصرف لے سکتا ہے، مثلاً وہ اس کے ذریعہ اپنے مین صبر و تحمل کے اوصاف پیدا کر سکتا ہے، یا علالت کی تنہائی مین مطالعہ یا غور و فکر مین اپنے وقت کو مفید طریقے سے گذار سکتا ہے،

بہت سی ایسی مثالین ہین کہ مصیبتون نے اُن کے مبتلا اشخاص کو جری اور بہادر بنا دیا، اور وہ محض آلام و مصائب کی وجہ سے اپنی روح کے نگران بن کر دوسرون کے رہنما اور رہبر ثابت ہوئے، بہادر آدمیون سے ان کی موت بھی ان کی خوشی چھین نہین سکتی، سقراط کو جب جیل مین اس کی قسمت کا فیصلہ معلوم ہو گیا، اس وقت بھی وہ مسرور اور باوقار رہا، اور اس کی مسرت اور وقار سے اس کے ساتھیون کی ہمت قائم رہی،

خارجی اثرات سے حصولِ مسرت مین کچھ مشکلات ضرور ہین، لیکن ان کی وجہ سے مسرت کا حصول ناممکن نہین، لیکن اگر کوئی شخص اپنے کو ہر حال مین تکلیف دینے اور رنج پہونچانے ہی کے لئے آمادہ ہو تو پھر اس کا کوئی علاج نہین، اس کے لئے دنیا کی ہر چیز باعثِ تشویش ہو سکتی ہے، بعض خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہین جن کو دولت و ثروت، عمدہ صحت، اچھی رفیقۂ حیات، اور خوبصورت اولاد اور ساری نعمتین حاصل ہوتی ہین، پھر بھی وہ اس خوش قسمتی پر ناز نہین کرتے، ان کو ہمیشہ یہی پریشانی رہتی ہے کہ کہین ان کی دولت برباد نہ ہو جائے، ان کی صحت بگڑ نہ جائے، اور اُن کے بچے بیمار نہ ہو جائین، ایسے لوگون کو دنیا کی کوئی چیز مسرت نہین بخش سکتی، ہان اگر کوئی شخص خوش رہنا چاہتا ہے، تو وہ چھوٹی چھوٹی باتون سے بھی خوش رہ سکتا ہے، خوش رہنے کے لئے صرف ذہنی سکون ضروری ہے، اور ذہنی سکون قوتِ ارادی سے حاصل ہو سکتا ہے، اگر ایک شخص ارادہ کر لے کہ وہ ہر بات پر

خواہ مخواہ کفِ افسوس نہ ملا کرے گا، اوہام مین مبتلا نہ رہے گا، اور دل مین تمناؤن اور آرزوؤن کا ہجوم پیدا نہ ہونے دیگا تو پھر کوئی وجہ نہین کہ وہ خوش نہ رہے، بعض اشخاص فطری طور پر خوش رہتے ہین اور بعض فطری طور پر رنجیدہ اور ملول رہنے کے عادی ہین، مثلاً اگر موسم غیر معمولی طور پر ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو ایک شخص ٹھنڈک سے لطف اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اور بار بار موسم کی تعریف کرتا ہے، لیکن دوسرا شخص ٹھنڈک سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہین غیر معمولی ٹھنڈک سے اس کو کوئی بیماری نہ ہو جائے،

طبیعتون مین رجائیت اور قنوطیت کا پیدا ہونا خانگی ماحول پر بھی منحصر ہے، جن ماں اور باپ کے درمیان محبت اور یگانگت اور یکجہتی ہوتی ہے، تو ان کے بچے عموماً خوش اور مسرور رہتے ہین، وہ زندگی کے تاریک پہلوؤن کی جانب بالکل نگاہ نہین ڈالتے، ان کو اگر زندگی مین ناکامی بھی ہوتی ہے تو وہ مایوس ہو کر مغموم نہین ہوتے، لیکن جن ماں باپ کے درمیان طبیعت کی یکجہتی نہین پائی جاتی اُن کے بچون سے عموماً مسرت کا مادہ مفقود ہو جاتا ہے،

ایک جھگڑالو بیوی کا شوہر عام طور پر قنوطیت پسند ہوتا ہے، اس کو زندگی مین کوئی روشن پہلو نظر نہین آتا، لیکن جھگڑالو بیوی کا قنوطیت پسند شوہر بھی قوتِ ارادی سے اپنی طبیعت کا رنگ بدل سکتا ہے، اگر حسبِ ذیل باتین پیشِ نظر رکھی جائین تو طبیعت اور اس کے ساتھ ساتھ کیرکٹر کا بھی رنگ بدل سکتا ہے،

ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کام کرتے رہنا چاہئے، اس سے اس کو برابر خوشی حاصل ہوتی رہے گی،

جب سقراط جیل مین تھا، اور اس کو موت کی سزا دی جانے والی تھی تو سزا سے پہلے اُس نے موسیقی کا شغل شروع کیا، کسی نے پوچھا، موت کے سامنے موسیقی کی تفریح سے کیا فائدہ؟ سقراط نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ موت سے پہلے اس کی لذت سے آشنا ہونا چاہتا ہون،

جس چیز پر اپنا کوئی اختیار نہ ہو اس کے لئے ملول خاطر ہونا فضول ہے، بعض لوگ اس لئے مغموم رہتے ہین کہ ایران مین سیاسی واقعات اُن کی خواہش کے مطابق ظہور پذیر نہین ہو رہے ہین،

یا انڈونیشیا کے انقلاب سے ان کو دکھ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ گھر بیٹھے نہ ایران کے لئے کچھ کر سکتے ہیں، نہ انڈونیشیا کو مدد دے سکتے ہیں، پھر ان کے لئے رنجیدہ ہونا بالکل بیکار ہے، تمام ملکوں کے واقعات سے باخبر رہنا تو بالکل صحیح ہے، لیکن وہاں کے ناخوشگوار واقعات کے لئے کڑھنا اور پریشان ہونا بالکل غلط ہے،

ماضی کی تلخیوں کو ہمیشہ بھلائے رکھنا چاہئے، بہت سے افراد ایسے ہیں، جو اگر ماضی کی ناگوار باتوں کو بھلا دیں تو بہت خوش رہ سکتے ہیں، میاں بیوی کے تعلقات کی خرابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ دونوں اپنے دلوں میں گذشتہ باتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ خلش رکھتے ہیں، اور یہ خلش بات بات پر ظاہر ہوتی رہتی ہے، جس سے دونوں کے تعلقات کی خرابی میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، جو شخص ماضی کی ناگوار باتوں کو دل میں پرورش کرتا رہتا ہے، وہ لوگوں کو اپنا دشمن زیادہ بناتا ہے اور دوست کم، عقلمند آدمی ماضی کی ناخوشگواریوں کو نظر انداز کر کے صرف حال سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں،

مستقبل سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ رکھنا بھی صحیح نہیں، مآل اندیشی اور دور بینی اوصاف ضرور ہیں، لیکن امیدوں کا ایک ہوائی قلعہ کھڑا کرنا ایک احمقانہ فعل ہے، آیندہ واقعات پر مطلق کسی کو قابو نہیں ہوتا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ زندگی کے آیندہ واقعات پر قابو حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ وصف یہی ہے کہ انسان زندگی کے تغیرات پر قابو پانے کے لئے اپنے کو ہر وقت طیار رکھے، اور یہ طیاری اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب انسان ذہنی انتشار اور اختلال سے بالکل آزاد ہو، اور اس کا دور کرنا اپنی ذات پر منحصر ہے، اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ اپنی ذات ہی سے خوشی حاصل کی جا سکتی ہے، کوئی دوسرا شخص کسی کو خوشی عطا نہیں کر سکتا،

ص، ع

کتب بینی کا شغف

ڈاکٹر جانسن کا قول تھا کہ جو شخص روزانہ چار گھنٹے کتابوں کا مطالعہ کرے، وہ یقیناً صاحب عقل ہو جائے گا، لیکن اب ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ جن کو پڑھنے کا اتنا غیر معمولی ذوق رہا ہے کہ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو یقین کرنا مشکل ہو جائے گا، ٹوب کے لارنس کے بارہ میں مشہور ہے کہ جب وہ آکسفورڈ میں تعلیم پا رہا تھا، اس وقت اس نے وہاں کے کتب خانہ کی ساری کتابیں پڑھ ڈالی تھیں، کہا جاتا ہے کہ اس نے چھ سال میں پچاس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا، یعنی اوسطاً (۲۰) کتابیں روزانہ پڑھتا تھا، وہ تین سال تک رات دن ایک کرسی کے گدے پر بیٹھا پڑھتا رہا، جب نیند آتی تو اسی گدے پر تھوڑی دیر سو رہتا، اٹھارہ گھنٹے مسلسل پڑھتا تھا، بڑی ضخیم اور ادق کتاب کو آدھ گھنٹہ میں پڑھ ڈالتا تھا،

لارنس کے بعد سر ولیم رابرٹسن نی کول کا نمبر ہے، وہ برٹش ویکلی کا اڈیٹر تھا، اس کے ذاتی کتب خانہ میں پچیس ہزار کتابیں تھیں، کتب خانہ پر اتنا حاوی تھا کہ جس کسی کتاب کو چاہتا آنکھ بند کر کے اٹھا لیتا، اور اگر کسی کتاب سے کوئی اقتباس لینا ہوتا، تو اسی صفحہ کو کھولتا، جس میں اقتباس ہوتا، وہ جب کسی سفر میں جاتا، تو استعمال کے ضروری کپڑے چھوڑ دیتا، لیکن کتابیں ضرور ساتھ لے لیتا، اس کی ہر جیب میں کوئی نہ کوئی کتاب ہوتی، ہر سال ہزاروں کتابیں پڑھتا، اور بڑی تیزی سے ان کو ختم کرتا، اس کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک پیراگراف یا ایک پورا صفحہ محض ایک مرتبہ نظر ڈالنے میں یاد ہو جاتا، مشہور ہے کہ جتنی دیر میں کوئی دوسرا شخص ایک جملہ پڑھتا، اتنی دیر میں وہ ایک صفحہ ختم کر دیتا، اس کا خود بیان ہے کہ وہ نصف گھنٹہ میں بیس ہزار الفاظ پڑھ سکتا ہے، دن بھر میں دو کتابیں ختم کرتا تھا، اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر ہفتہ ۳۵ ہزار الفاظ بھی لکھا کرتا تھا،

آئرلینڈ کا ایک پروفیسر ہر چوبیس منٹ مین ایک ناول ختم کر دیتا تھا، اور جس دن چھٹی
ہوتی تو اس دن نصف درجن ناول ضرور پڑھتا،

میکالے نے تین ہی سال کی عمر مین کتابون کا مطالعہ شروع کر دیا تھا، اور اسی عمر سے زیادہ تر
کتابی الفاظ بولا کرتا تھا، ایک بار اس نے اپنی بہن کو ایک خط مین لکھا کہ اس کی خواہش ہے کہ اسکو
کسی بڑے کتبخانہ مین دفن کر دیا جائے، اور بیداری کی حالت مین کوئی لمحہ بھی اس کی نظرون سے
کتاب علٰحدہ نہ ہو، ایک بار جب وہ لندن سے آئرلینڈ جا رہا تھا، تو راستے ہی مین تاریخ کی ایک
ضخیم کتاب (Lives of Emperors) کا بیشتر حصہ ختم کر دیا، ۱۸۳۴ء مین ہندوستان
آرہا تھا، اس سفر مین وہ صرف کھانے کی میز پر تو کسی سے بول لیتا، ورنہ سارا وقت یونانی لاطینی،
اسپینی، اطالوی، فرانسیسی اور انگریزی کتابین پڑھتا رہتا، وہ لندن اور سورے کی سڑکون پر گھومتے
وقت بھی کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا، ایک بار وریسٹر اور میل ورن کے درمیان ٹہلنے کے دوران مین اودیسی
کی چودہ کتابین ختم کر دین، وہ جب کسی کتب فروش کی دوکان پر پہنچ جاتا، تو دوکان کی تمام کتابون
پر ایک نظر ڈال لیتا، اور جب تک دوسرے خریدار ایک کتاب خریدنے مین لگے رہتے وہ کتابون کا
ایک ڈھیر خرید لیتا،

مشہور مورخ گبن جب اپنی تاریخ رومن امپائر لکھ رہا تھا، تو روزانہ بارہ گھنٹے پڑھا کرتا
تھا اس کو مطالعہ مین ایسی لذت ملتی تھی کہ کہا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان کی ساری دولت کے بدلے
بھی اس لذت سے کنارہ کش نہین ہو سکتا،

کارلایل کا دعوی تھا کہ کوئی کتاب خواہ کیسی ہی ادق اور کیون نہ ہو، وہ تھوڑی دیر مین
اس کی مشکلات کو حل کرکے اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے،

روما کے قدیم عہد مین پلینی کو بھی کتابون سے بڑا شغف تھا، وہ غسلخانہ مین بھی پڑھنے کے لئے

کتاب ساتھ لیجاتا، وہ کہا کرتا کہ ایک کتاب مین خواہ وہ کیسی ہی خراب کیون نہ ہو کچھ نہ کچھ اچھی
باتین ضرور مل جاتی ہین، اس لئے کسی کتاب کا مطالعہ رائگان نہین جاتا،

ایسے لوگون کا حافظہ بھی غیر معمولی قوی ہوتا ہے، سر جیمز میکن ٹوش کے بارہ مین کہا جاتا ہے
کہ شاید ہی کوئی کتاب اُنھون نے نہ پڑھی ہو، اور جب کسی مصنف کی کسی رائے کا ذکر آجاتا، تو وہ بلا تکلف اس
رائے کے اصلی الفاظ کو دہرا دیتا، اور جس کتاب کے جس صفحہ پر وہ رائے ہوتی، اس کو بھی بتا دیتا،
ڈاکٹر سموئیل کلارک کی جیب مین ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب ہوتی تھی، اور وہ جو کچھ پڑھتا،
اس کو یاد رکھتا، بن جانسن کو بہت سی کتابین زبانی یاد تھین، رابرٹ براؤننگ بعض اقتباسات
اپنے حافظہ سے اس طرح دہراتا کہ معلوم ہوتا کہ اصل کتاب دیکھ کر پڑھ رہا ہے،

جیرمی بنتھم کو بھی بچپن ہی سے کتابون کے مطالعہ کا شوق ہوا اور جب وہ پانچ سال کا
تھا تو لوگ اس کو فلسفی کہا کرتے تھے، بلکہ پانچ سال کی عمر سے بھی پہلے ایک دن وہ مشہور مورخ
ریپن کی کتاب تاریخ انگلستان پڑھتا دکھائی دیا، آئزک وٹس تین سال کی عمر مین آسانی
کے ساتھ انجیل پڑھ لیتا تھا، جب اس کو کوئی پیسہ دیتا تو وہ اپنے باپ کے پاس دوڑ کر جاتا، اور کہتا
ان پیسون سے مجھکو کوئی کتاب خرید کر لا دیجئے، اسی عمر مین جوتھن سوئفٹ انجیل کے مشکل
حصون کو آسانی سے پڑھ لیتا تھا، "ص، ع"

تاریخِ سندھ

اس مین سندھ کا جغرافیہ مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات
خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا ان کی پوری
تاریخ اور ان تمام دورون کے نظامِ حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہِ عام کے جو جو کام انجام پائے
ان سب کی پوری تفصیل ہے، قیمت سے "منیجر"

ادبیات

غزل

از جناب شفیق جونپوری

کون کرتا تجھے اے خانۂ ویران آباد — تا قیامت رہے میری شب ہجران آباد

حسن کی گرمی بازار فقط عشق سے ہے — چند دیوانون سے ہے کوچۂ جانان آباد

انقلابات تو آتے ہی رہیں گے ساقی — تو سلامت رہے میخانے کی گلیان آباد

زلف جانان شب فرقت کی سحر ہو کہ نہ ہو — تیری نکہت سے رہے شام غریبان آباد

دیکھتے جایئے اجڑے ہوئے غم خانے کو — تھا اسی گھر مین کوئی بے سر و سامان آباد

اے فلک تجھکو مبارک مہ و انجم کی ضیا — آنسوؤن ہی سے رہے دیدۂ گریان آباد

دیکھئے گا میری شوریدہ مزاجی کو دعا — کون کرتا ہے دیار غم و حرمان آباد

جان فنی ہو کہ نہ ہو شمع جلے یا نہ جلے — تیری بستی رہے میری دل سوزان آباد

کر گئے تیرگی نجم کے حوالے تم بھی — نہ ہوئی میری غریبی کی شبستان آباد

نہ سہی بالش و زانو کا سہارا نہ سہی — تیری آغوش رہے اے غم جانان آباد

آہ اس گھر کی تباہی کا سمان کیا کہئے — کر چکا ہو جسے کوئی رخ تابان آباد

بلبلین چپ ہو مین گلزار پہ چھایا ہو سکوت — ہائے کس گل نے کیا شہر خموشان آباد

تجھ سے روشن تھا مرے دل کی امیدون کا چراغ — تو کہان جا کے ہوا اے مہ تابان آباد

مجھ سے جانباز بہت آئین گے اے جان بہار — تو سلامت رہے تیرا چمنستان آباد

ہائے وہ تیرے گرفتار جنون کی راتین — جس کی فریاد سے تھا خانۂ زندان آباد

یہ غنیمت ہین ترے خاک اڑانے والے — پھر بگولون سے بھی ہو گا نہ بیابان آباد

ساری رونق ہے انھین سوختہ سامانون سے — تیرے کوچے مین رہین تیرے غزلخوان آباد

یہ شب ماہ یہ وادی کی فضا یاد حبیب — کس اجالے مین ہوئی شام غریبان آباد

لٹ گیا جب سے شفیق اپنا سکون خاطر
جی مین آتا ہے کرون کوئی بیابان آباد

غزل

از جناب سید محمد ابراہیم صاحب نجم ندوی بی اے ال

بیگانۂ مذاق سخن ہے دہن ابھی — مجبور ہے چمن مین نوائے چمن ابھی

پتھر نہ بن سکا دل ہر برہمن ابھی — یعنی ہے خام حوصلۂ اہرمن ابھی

زیر نظر ہے مسئلۂ ما و من ابھی — ہے بے محل سوال فلاح وطن ابھی

نا قدردان اہل وفا ہے وطن ابھی — نا آشنائے نکہت گل ہے چمن ابھی

محشر بدوش گردش شام و سحر ابھی — بدلا نہین فلک کا مزاج کہن ابھی

اے شمع حسن اف یہ پتنگون کا اژدحام — تیری طرح جوان ہے تری انجمن ابھی

اے اعتماد نفس فریب خودی نہ کھا — رہبر بھی راہ عشق مین ہے راہزن ابھی

گھبرائے کیا سواد فضائے قفس سے دل — آنکھون مین ہے سفیدی صبح چمن ابھی

اٹھ جائے درمیان سے اگر دل کی تاتشی — ہو جائے طے معاملۂ جان و تن ابھی

یاد نگاہ ناز کے قربان جائیے — محسوس ہو رہی ہے جگر مین چبھن ابھی

بیمارِ عشق نزع میں لیتا ہے ہچکیاں | پر تولتا ہے مرغِ غریب الوطن ابھی
فصلِ جنون پھر آگئی عمرش دراز باد | تیار ہو رہا تھا نیا پیرہن ابھی
ہو گی زبانِ دہر پہ کل میری داستان | سن لیجئے فسانۂ گنگ و جمن ابھی
تکمیلِ ذوقِ عشق ہوئے شامِ زندگی | ہے ناتمام قصۂ دار و رسن ابھی

کیا روحِ نجم بادِ مخالف نے پھونک دی
سونی پڑی تھی محفلِ شعر و سخن ابھی

غزل

از

جناب ندیم جعفری ڈیرہ غازیخان

حسرتِ دید بہ امکانِ نظر باقی ہے | یہی الزامِ تمنا میرے سر باقی ہے
رات دن آگ برستی ہے نشیمن پہ مگر | ابھی ہنگامۂ صد برق و شرر باقی ہے
عاشقی موردِ الزام نہ ٹھہرے جبتک | غلبۂ حسن مراعاتِ نظر باقی ہے
آب سادہ ہوئے ہرچند سرشکِ گلگون | ابھی فریاد میں کچھ رنگِ اثر باقی ہے
کشتیٔ عشق کو تا ساحلِ مقصد لے چل | جوشِ گریہ اگر اے دیدۂ تر باقی ہے
ڈھل چکی رات وہ آئے ہیں نہ آئینگے کبھی | دل کو امید مگر تا بہ سحر باقی ہے

سجدہ ریزی کے لئے کیوں نہ ہوں مجبور ندیم!
چلدیئے وہ کششِ راہ گذر باقی ہے

مطبوعاتِ جدیدہ

آثارِ ابوالکلام آزاد نفسیاتی مطالعہ | از جناب قاضی عبدالغفار صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت نفیس، قیمت تحریر نہیں، پتہ: نیشنل انفارمیشن اینڈ پبلیکیشنز لمیٹڈ نیشنل ہاؤس اپالو بندر بمبئی نمبر ۱،

یہ معلوم و مسلّم ہے کہ جس طرح ہر زمانہ کا ادب اپنے ماحول کا عکس ہوتا ہے جس میں اس دور کی خصوصیات نظر آتی ہیں، اسی طرح اشخاص کی تحریریں ان کی نفسیات کا آئینہ ہوتی ہیں جن سے ان کا نفسیاتی مرقع تیار کیا جا سکتا ہے، مصنف نے اس کتاب میں اسی نقطۂ نظر سے مولانا ابوالکلام کی تحریروں سے ان کی نفسی تصویر دکھانے کی کوشش کی ہے، یہ بھی اصحاب علم و نظر سے مخفی نہیں کہ مولانا مجتہدانہ دل و دماغ رکھتے ہیں، اور ان کے علم و فن تحریر و تقریر افکار و تصورات زندگی کے ہر شعبہ میں انفرادیت کا بانکپن، اور عبقریت کی شان پائی جاتی ہے، جو اُن کی تحریروں میں بھی نمایاں ہے، مصنف نے تذکرہ، الہلال، البلاغ اور غبارِ خاطر کی تحریروں سے علم و فن، دین و ملت، قومیات، سیاسیات اور مولانا کی نجی زندگی میں جہاں تک ان کی دسترس ہو سکی ہے، مولانا کے فکری اجتہادات اور انفرادیت کے جلوے دکھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جیسا کہ خود مصنف کو اعتراف ہے کہ مولانا کی شخصیت عام انسانوں سے اس درجہ مختلف ہے، اور اس پر انفرادیت کے اتنے توبہ تو حجابات پڑے ہیں کہ محض زودِ قلم سے اُن کو ہٹانا آسان نہیں ہے، اور مولانا کی حریم عظمت عام نگاہوں کی رسائی سے اتنی دور ہے اور اُن کی شانیں اتنی مختلف ہیں کہ ہر نگاہ وہاں تک نہ پہنچ سکتی ہے، اور نہ ان کا احاطہ کر سکتی ہے،

ہر شخص صرف اپنی حد نظر تک ان کو دیکھ سکتا ہے، اس لئے مصنف کا قلم زور انتشار کے باوجود کامل معقولیت
سے قائم رہا تاہم حُسنِ عقیدت اور حسنِ انتشار کے زور سے اس سے بہتر تعبیر ممکن نہ تھی، اس لحاظ سے
کتاب مولانا کے سوانح مصنف کے نفسیات اور کمالِ فن کا بھی مرقع ہے، اور اس سے اردو ادبِ لطیف
میں ایک اچھا اضافہ ہوا ہے،

نور الرحمن از جناب مولوی نور الرحمن صاحب بچھرایونی، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۴۰ صفحے،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ے، پتہ (۱) شاہ خلیل الرحمن صاحب
سجادہ نشین درگاہ مولانا عبد الرحمن صاحب ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ (۲) اردو بک
اسٹال، بچھرایون ضلع مرادآباد،

حضرت مولانا شاہ عبد الرحمن صاحب موحد لکھنوی المتوفی سنہ ۱۲۶۵ھ اپنے دور کے جلیل القدر
صوفی، درویش کامل اور وحدۃ الوجود کے بڑے عارف و مبلغ تھے، ترک و تجرید میں اُن کا پایہ بہت
بلند تھا، اُن کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ باختصاص مولوی نور اللہ صاحب بچھرایونی نے اُن کے حالات
و ملفوظات میں ایک کتاب انوار الرحمن تنویر الجنان فارسی میں لکھی تھی، جو کئی مرتبہ چھپ چکی ہے لیکن
اس کی زبان اور ضخامت کی وجہ سے ہر شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، اس لئے مولوی نور الرحمن
صاحب نے جو مولوی نور اللہ صاحب کے احفاد و امجاد میں ہیں، بڑے سلیقہ سے اردو میں اس کے
اہم ابواب کی تلخیص کی ہے، اس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح، اخلاق و سیرت، ارشادو
ملفوظات اور مسئلۂ وحدۃ الوجود پر مولانا کے خیالات وغیرہ جملہ ضروری حالات آگئے ہیں، اور
اردو داں طبقہ کے لئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا آسان ہو گیا ہے، وحدۃ الوجود کی بحث اردو
میں غالباً ناقابلِ فہم ہونے کی وجہ سے اصل فارسی میں رہنے دی ہے، در حقیقت اس قسم کے مباحث
عوام کیا خواص کے لئے بھی نہیں ہیں، بلکہ شخصی ذوق و وجدان سے تعلق رکھتے ہیں، مذہبی نقطۂ نظر

سے بعض پہلوؤں پر نگاہ کھٹکتی ہے، لیکن جن لوگوں کو اس قسم کی کتابوں کا ذوق ہو، یہ تلخیص اُن کے
مطالعہ کے لائق ہے اور مولانا عبد الرحمن کے متوسلین کے لئے خصوصیت کے ساتھ بہت قابلِ قدر ہے،

دلائلِ صداقتِ رسالت از مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی، تقطیع خورد، ضخامت
۶۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مر، پتہ ناظم شعبۂ نشر و اشاعت مدرسہ
جھنڈا نگر ڈاکخانہ رادت گنج ضلع بستی،

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے
دلائل دیئے گئے ہیں، کتاب کے شروع میں رسالت کی ضرورت، وحی، عصمتِ انبیاء، رسول کریم صلعم
کی بشریت پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے بعد آپ کی نبوت کی صداقت کے مفصل عقلی نقلی
اور تاریخی شواہد و دلائل جمع کر دیئے ہیں، اس موضوع پر پرانے مذہبی لٹریچر کو چھوڑ کر اس
دور میں بھی موجودہ مذاق کے مطابق اردو میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اگر مصنف اس پر نگاہ ڈالے
لئے ہوتے، تو یہ کتاب اس سے بہتر شکل میں اور زیادہ مفید ہوتی، موجودہ شکل میں بھی وہ عام
خواندہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے،

زبدۃ الحکمۃ، مرتبہ مولوی عبد الشاہد خان شروانی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۳۶ صفحے،
کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت عہر، پتہ زاویہ علیہ محمد علی روڈ بالائے قلعہ علی گڑھ،

ہندوستان کے پرانے علمی دور کے آخر میں مولانا فضل حق خیرآبادی، اور اُن کے صاحبزادے
مولانا عبد الحق معقولات کے امام تھے، اور اس کے بیشتر درسی سلسلے انہی پر منتہی ہوتے ہیں، مولانا
عبد الحق نے اس زمانہ میں جب اصحابِ علم سنجیدہ علوم پر اردو میں کچھ لکھنا علمی شان سے فروتر
سمجھتے تھے، منطق اور فلسفہ پر دو رسالے زبدۃ الحکمۃ اور یادگار حامدیہ اردو میں لکھے تھے، جو مصنف
کی وفات کے بعد ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوئے تھے، لیکن اب وہ نایاب ہیں، اس لئے اس سلسلہ کے

ایک ہونہار فرزند مولوی عبدالشاہد خان نے اُن کو دوبارہ مرتب کرکے شائع کیا ہے، انکی خوبی کے لئے مصنف کا نام نامی پوری ضمانت ہے، گو ان کی زبان آج سے نصف صدی سے بھی پہلے کی ہے، تاہم فن کے مسائل کو پرانے ژولیدہ طرز کے بجائے سلیس اور سلجھے ہوئے انداز مین سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اب ان علوم کا چرچا کم بلکہ ختم ہو رہا ہے، تاہم یہ دونون رسالے تاریخی یادگار کی حیثیت سے قابلِ قدر ہین، اور عربی مدارس کے طلبہ اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، کتاب کے شروع مین مرتب کے قلم سے مصنف کے خاندانی حالات، اور فنِ منطق و فلسفہ کی مختصر تاریخ ہے،

چھان بین از جناب جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، پتہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

مصنف کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، وہ فن شاعری مین استادی کے ساتھ اردو زبان کے بھی مشہور و مستند ادیب و نقاد ہین، مذکورہ بالا کتاب اُن کے پندرہ ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، ان تمام مضامین مین اُن کی ادبی بصیرت، وہ دیدہ دری نمایان ہے، اردو شاعری اور زبان و ادب کی اصلاح و ترقی اور دورِ جدید کے گمراہ ادیبون کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایسے مضامین کی بڑی ضرورت ہے، امید ہے کہ ادبی حلقہ مین یہ مجموعہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

آسان حج مترجمہ جناب عبدالرزاق سعید صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر، پتہ :- ادارہ تبلیغ الاسلام نمبر ۳۰، اٹھن ٹن پورہ اسٹریٹ بمبئی نمبر ۹،

یہ رسالہ امیر محمد بن اسمٰعیل یمانی کے ایک عربی رسالہ کا جو مسائل حج پر ہے، اردو مین ترجمہ ہے، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی روشنی مین مناسک حج اور اس کے مسائل بیان کئے گئے ہین، اسی کے ساتھ مناسکِ حج اور مدینہ طیبہ کی حاضری کے آداب پر ایک اردو نظم بھی ہے، گو رسالہ مختصر ہے، لیکن مفید ہے،

"ق م"

اقبال کامل

(مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی)

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین لیکن اُن سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے،

ضخامت :- ۴۰۰ صفحے،

قیمت :- عہ/

"منیجر"

بزمِ تیموریہ

(مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم، اے)

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دولت کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمایئے،

ضخامت :- ۵۰۴ صفحے،

قیمت :- صعہ/

"منیجر"